ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

مئی ۱۹۸۸ء

"جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم"
بالکل ایسے ہی
گرمیوں کی حدّت میں ٹھنڈے اور شیریں احسا
کا
ایک حسین نام
نورس
قومی مشروب
اب عوامی پیک میں بھی دستیاب ہے
Naurus
Naurus (Pvt) Limited

ماہنامہ آنکھ مچولی کراچی

مُدیرِ اعلیٰ

ظفر محمود شیخ

مُدیرِ مسئول

تجمل حسین چشتی

مُشاورت

مشفق خواجہ، امجد اسلام امجد

مُدیرِ اعزازی

طاہر مسعود

مُشیرِ ادارت

محمد سلیم مغل

مجلسِ ادارت

شاہنواز فاروقی، ابنِ شہباز خان، سید خورشید عالم

خطاطی

رئیس احسن، عارف سعید

جلد ۲

شمارہ نمبر ۱۱

مئی ۱۹۸۸ء

رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ

قیمت پانچ روپے

زرِ سالانہ کے لئے خصوصی بچت اسکیم کا صفحہ دیکھیے!

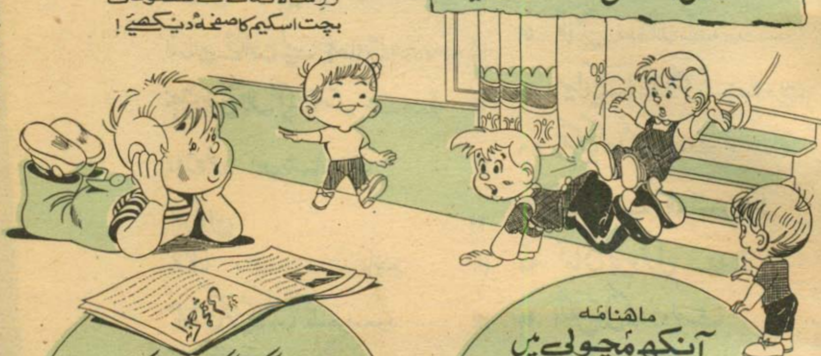

ماہنامہ

آنکھ مچولی میں

شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں، پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جاسکتی

گرین گائیڈ اکیڈمی

ادارہ اشاعت برائے

تعلیم و تعمیر سیرتِ اطفال

زیرِ سرپرستی

ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن

ماہنامہ

آنکھ مچولی

میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں۔ کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

ناشر

ظفر محمود شیخ

طابع۔ زاہد علی، مطبع۔ لاریب پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ، کراچی

گرین گائیڈ اکیڈمی

برائے خط و کتابت و مقامِ اشاعت ۱۱۲-ڈی، نورس روڈ سائٹ، کراچی

حسنِ ترتیب

اداریہ		۵
اچھی بات		۶
دادا ابّا اور ہمارا روزہ	ابو اسماء	۷
ابّو سات سمندر پار (نظم)	شاہنواز فاروقی	۱۰
اس مہینے کا نام کیسے پڑا؟	مولانا اسلم شیخوپوری	۱۴
انسان نے لکھنا کیسے سیکھا؟	سیّد عرفان علی یوسف	۱۵
بہتی ہوئی ناک، ایک مسئلہ	شین فاروقی	۱۹
روزہ خور	ابنِ شہباز خان	۲۲
کارٹون		۲۹
بوکاٹا	سیّد خورشید عالم	۳۱
ٹارزن کراچی میں	طاہر مسعود	۳۷
ایک انوکھی تصویر (نظم)	محسن احسان	۴۱
صبح کا بھولا	نگہت آرا چوہان	۴۳
قہقہے ہی قہقہے	منتخب لطائف	۴۷
چوہا انسان کا سب سے بڑا دشمن	حارث شمیم	۵۰
یہ چٹکلے	شانی ایوب	۵۴
رنگی چنگی معلومات	سیّد عقیل عبّاس جعفری	۵۵
اورنگی ٹاؤن (ویرانے سے شہر تک)	فرزانہ روحی	۶۱
دھماکہ (سلسلہ وار ناول)	اظہر نیاز	۶۳
قرآنِ کریم کا معجزہ		۶۹
بیچارہ پھل	ایم آصف	۷۱
تلاش (قسط وار ناول)	سیتہ جیت رے	۷۹
میرا بینک! امّے ابھی تو ہے!!	فراز سلیم	۸۷
ہم کیا کھائیں؟	عارف انجم صدیقی	۸۸
مجھے ابّو سے شکایت ہے!		۹۱
کہانی کمپیوٹر کی	نیّر ابدالی	۹۵
انکل آئی کیو روبوٹ		۹۹
چاند نگر سے خط آیا ہے (نظم)		۱۰۲
دائرہ معلومات	اُمِّ رباب جعفری	۱۰۳
نئی تحریریں		۱۰۸
آؤ ملائیں ہاتھ		۱۱۵
امّی ابّو کا صفحہ	پرویز فاروق	۱۱۸

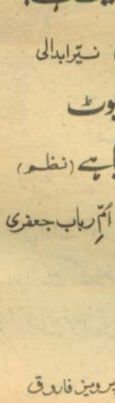

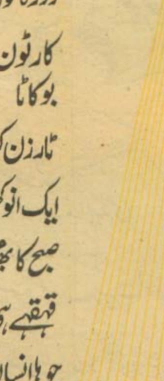

بسم اللہ الرحمن الرحیم

'آنکھ مچولی' کا "قہقہہ نمبر" آپ کو توقع سے زیادہ اچھا لگا' نہایت قہقہہ آور شگفتہ شگفتہ سا جبھی تو ساتھیوں کے روزانہ خطوط مل رہے ہیں۔ پسندیدگی کے، تعریف وتحسین کے اور ساتھ ہی یہ فکر بھی ہے کہ قہقہہ نمبر ۲، کب آئے گا؟ پہلے اسے تو پڑھیے۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے۔

ہم نے عرض کیا تھا کہ قہقہہ نمبر پیش کرنے کا مقصد صحت مند تفریح کی فراہمی ہے۔ آپ کے قلب وذہن سے تھکن اور افسردگی کو دُور کر کے اسے ہلکا پھُلکا اور تروتازہ کرنا ہے۔ لیکن اسے ہماری بدقسمتی کہیے کہ اسی ماہ وطنِ عزیز کی تاریخ کا وہ الم انگیز سانحہ پیش آیا جس نے ہر آنکھ کو اشکبار اور ہر دِل کو سوگوار کر دیا ہے۔ اوجھڑی کیمپ کے حادثے کے جو دِل ہلا دینے والے مناظر ٹیلی وژن اسکرین اور اخبارات کے صفحات پر دیکھنے میں آئے ہیں اُس نے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں سلب کر لی ہیں۔ کہا جارہا ہے کہ یہ تخریب کاری ہے۔ یقین نہیں آتا کہ کوئی درندہ سے درندہ صفت انسان بھی ایسی ظالمانہ شیطانی کارروائی کا مرتکب ہوسکتا ہے؟ وہ بے گناہ لوگ، وہ معصوم بچے اور عورتیں جو اس سانحے میں ہلاک ہوئے یا معذور ہوئے یا جن کے گھر تباہ وبرباد ہوئے ... ان کا جُرم کیا تھا؟ انھیں کس قصُور کی سزا ملی؟ ممکن ہے جن وحشیوں کا یہ "کارنامہ" ہے وہ قانون کے ہاتھوں بچ نکلنے پر بہت خوش ہوں لیکن ان ننگِ وطن اور ننگِ اسلاف عناصر کو یہ نہیں بھُولنا چاہیے کہ قانونِ قُدرت کی پکڑ سے وہ نہیں بچ سکتے۔ تب ان کا اور خدا کا معاملہ ہوگا اور خدا اپنا معاملہ کرنا خوب جانتا ہے!

آزمائش کی اس نازک گھڑی میں ہماری قوم نے بے پناہ عزم وحوصلے کا، صبر واستقامت کا اور اخوّت و یکجہتی کا ثبوت دیا۔ اور ثابت کیا کہ ایک عظیم قوم بننے کی تمام خصوصیات اس میں موجود ہیں۔

بقول اقبال ؎ ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اس حادثے کے شہداء کے لیے ہمارا دل مغموم ہے۔ ممکن ہے اس میں 'آنکھ مچولی' پڑھنے والے بعض ساتھی بھی ہوں۔ ہم ان سب کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ خدا ان کے لواحقین کو صبرِ جمیل عطا کرے (آمین) خدُا سے، ہماری یہ بھی دُعا ہے کہ وہ ہمارے مُلک کو اَمن و آشتی کا گہوارہ بنا دے تاکہ آئندہ کوئی سانحہ اوجھڑی کیمپ نہ پیش آئے۔ کہیں کوئی بم نہ پھٹے اور کہیں معصوم و بے گناہ لوگ بلا سبب نہ مارے جائیں۔

آپ کا دوست

[illegible]

اچھی بات

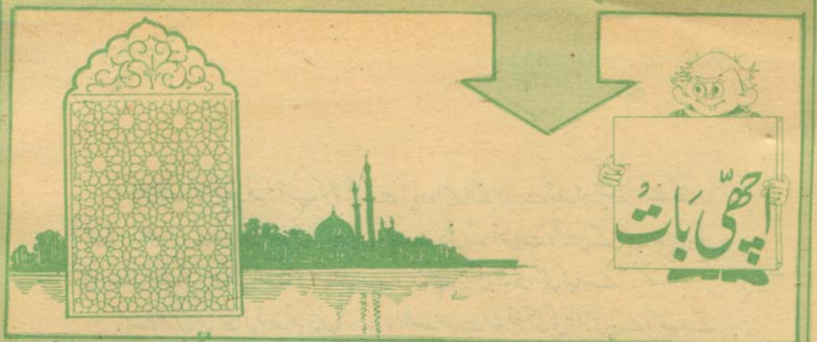

سبھی جانتے ہیں کہ عید کا دن مسلمانوں کی زندگی میں کتنی خوشیاں لاتا ہے۔ لوگ باگ خوشبوؤں سے معطّر نئے نئے کپڑے پہنتے ہیں۔ عیدگاہ کو جاتے ہیں۔ نمازِ عید کی ادائیگی کے بعد ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں۔ ایک دوسرے کو عید کی مبارکباد دیتے ہیں۔ عید کا ایسا ہی ایک دن تھا، جب مکّہ کی گلیوں اور بازاروں میں خوب رونق تھی۔ لوگوں کے چہرے خوشی سے تمتمائے ہوئے تھے۔ بچّے کھیل کود میں مصروف تھے اور بڑے انھیں کھیلتا دیکھ کر لطف اندوز ہو رہے تھے، لیکن مسرّت و شادمانی کے اس ماحول میں ایک بچّہ ایسا بھی تھا جو دوسرے بچوں سے الگ تھلگ سخت مغموم و افسردہ بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں بجھی ہوئی تھیں اور ایسا لگ رہا تھا کہ عید اس کے لیے اپنے دامن میں کوئی خوشی لے کر نہیں آئی ہے۔ عین اُسی وقت حضورؐ کا گزر اس راستے سے ہوا۔ آپؐ نے جب ایک بچّے کو مغموم و اُداس بیٹھے دیکھا تو پوچھا: "بیٹے! کیا بات ہے، تم مغموم کیوں بیٹھے ہو؟ حالانکہ تمھارے ساتھی کھیل کود رہے ہیں۔"

بچّے نے جواب دیا: "میرے والد فوت ہو گئے ہیں اور ماں نے دوسری شادی کر لی۔ میں اس دنیا میں اکیلا ہوں۔"

حضورؐ کو یہ سُن کر بےحد دُکھ ہوا۔ آپؐ نے شفقت سے بچّے کے سر پر دستِ مبارک رکھا اور فرمایا: "کیا تمھیں پسند نہیں کہ محمدؐ تمھارا باپ اور عائشہؓ تمھاری ماں ہو؟"

بچّے کو اور کیا چاہیئے تھا۔ وہ خوش ہو گیا۔ اس کی ساری اُداسی ختم ہو گئی۔ اب وہ اکیلا نہ تھا۔ اس کے سر پر اس عظیم ہستی کا مبارک سایہ تھا، جو دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا...!

ابُواسماء

دادا ابّا اور ہمارا روزہ

بچپن میں ہماری ایک عادت یہ بھی تھی کہ ہم اپنے بزرگوں سے بے تحاشہ سوالات کرتے تھے اتنے سوالات کہ بعض اوقات وہ اس سے تنگ آجاتے تھے. لیکن جب کوئی اچھا معلوماتی سوال کرتے تو نہ صرف یہ کہ وہ خوش ہوتے تھے بلکہ انعام بھی دیتے تھے. جس کی وجہ سے ہم اچھے اچھے سوالات کی تلاش میں رہتے تھے.

ایک دفعہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا. اور دوپہر کا وقت، دادا جان نیند سے بیدار ہوکر غسل وغیرہ کرکے تازہ دم بیٹھے ہی تھے کہ ہم پہنچ گئے. آج ہم سوالات کی تیاری کرکے آئے ہیں. ہم نے بیٹھتے ہی سوالات کی بوچھاڑ شروع کردی.

ہم :۔ "دادا جان مسلمان روزے کیوں رکھتے ہیں". ؟

دادا جان :۔ "ہم چونکہ مسلمان ہیں اور ہر مسلمان زندگی کے تمام معاملات میں اللہ اور رسولؐ کی ہدایات

کے مطابق چلتا ہے۔ چونکہ روزے رکھنے کا حکم بھی اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے؟ اس لئے تمام مسلمان روزے رکھتے ہیں"۔

ہم:۔ لیکن روزے رکھنے کا حکم صرف مسلمانوں کو کیوں دیا گیا ہے جبکہ دوسری قومیں بھی اللہ کو مانتی ہیں۔ اور ان کے درمیان بھی اللہ کے نبی آتے رہے ہیں۔ پھر ان کو روزے رکھنے کا حکم کیوں نہیں دیا گیا۔

دادا جان:۔ بیٹے! یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تمام مذاہب میں روزے کا حکم ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے چالیس روزے رکھے اور ان کی اتباع میں یہودی اور عیسائی بھی روزے رکھتے ہیں ہندو، سکھ اور پارسی بھی کئی کئی دن اور ہفتے روزہ رکھتے ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے کہ پہلی امتوں پر روزے فرض کئے گئے تھے"۔

ہم:۔ اچھا مان لیا کہ روزہ دوسری امتوں پر بھی فرض تھا مگر یہ بتایئے کہ روزہ رکھ کر سارا دن بھوکا پیاسا رہنے کا فائدہ کیا ہے"۔

دادا جان:۔ بیٹا! تم یہ تو جانتے ہو کہ کسی عقلمند انسان کا کوئی حکم اور کوئی عمل فائدہ اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمارا خدا جس نے ہمیں اور ہماری عقلوں کو پیدا کیا ہے اس کے کسی حکم کا کوئی فائدہ ہی نہ ہو باقی جہاں تک روزے کے فوائد کا تعلق ہے وہ بہت سارے ہیں، مثلاً روزہ رکھ کر مسلمان اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو پورا کرتا ہے جس سے وہ اپنے فرمانبردار بندے سے خوش ہوتے ہیں۔

اس سے بھوکے انسانوں کی تکلیف کا احساس ہو جاتا ہے۔ ورنہ جس انسان کا پیٹ ہر وقت بھرا رہے اور وہ کبھی بھوکا نہ رہا ہو اسے غریب اور بھوکے انسانوں کی تکلیف کا احساس کہاں ہوتا ہے؟ لیکن وہ جب خود بھوکا پیاسا رہے گا تو اسے ایسے لوگوں کی پریشانی کا احساس ہو گا اور پھر وہ ان کی پریشانی اور تکلیف دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔

روزہ انسان کو صبر اور تحمّل کا عادی بناتا ہے اور اس میں بھوک اور پیاس کو برداشت کرنے کی قوت پیدا کرتا ہے ورنہ کتنے ہی لوگ ہیں جو اتنے نازک مزاج ہوتے ہیں کہ ذرا سی بھوک پیاس برداشت نہیں کر سکتے اور اگر خدانخواستہ کچھ دیر کے لئے بھوکا پیاسا رہنا پڑ جائے تو وہ چیخ و پکار کرکے آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔
ہر انسان سے کچھ نہ کچھ گناہ اور کوتاہیاں ہو جاتی ہیں روزے کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

روزہ اسی بات کی علامت ہے کہ ہم خدائے بزرگ و برتر کے احکامات کی تعمیل میں ہر تکلیف برداشت کرنے کیلئے تیار ہیں۔

حکیم اور ڈاکٹر کہتے ہیں کہ روزہ لاتعداد بیماریوں سے شفا کا ذریعہ ہے، روزہ سے ردّی بلغم ختم ہوجاتا ہے، معدہ اور جگر میں طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ خون صاف ہو جاتا ہے۔ انسان چاق و چوبند اور تندرست ہو جاتا ہے۔"

ہم:۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ روزے میں دین اور دنیا دونوں کا فائدہ ہے۔"

دادا جان:۔ "بالکل اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں دین اور دنیا دونوں کے بے شمار فائدے ہیں۔"

ہم:۔ "دادا جان! پھر تو ہم بھی روزہ رکھیں گے۔"

دادا جان:۔ جب تک کوئی بچّہ بالغ نہ ہو جائے اس پر روزہ رکھنا فرض تو نہیں ہے لیکن اگر کوئی بچّہ ہمّت کر کے روزہ رکھ لے تو اسے ثواب بھی حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں، جو میں نے بتائے ہیں لیکن اتنی بات یاد رکھو کہ روزہ رکھ کر توڑنا بہت بڑی بات ہے۔ خاص طور پر اگر کوئی بالغ شخص روزہ رکھ کر توڑ دے تو اسے بہت زیادہ گناہ بھی ہوتا ہے اور اس پر کفارہ بھی واجب ہو جاتا ہے۔"

ہم:۔ "دادا ابوّ! یہ کفارہ کیا ہوتا ہے"؟

دادا ابوّ:۔ "کفارہ یہ ہے کہ ایک روزہ بلا وجہ توڑنے کی وجہ سے دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے جائیں۔"

ہمارے سوالات ختم ہوئے تو دادا جان نے ہمیں روزوں کی فضیلت کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی حدیثیں سنائیں ان میں سے ایک یہ ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی نے رمضان کا روزہ عقیدت اور ایمان کے ساتھ ثواب حاصل کرنے کے لئے رکھا تو اس کے تمام پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔"

دادا ابوّ کی پیاری پیاری باتوں کا ہمارے دل پر اتنا اثر ہوا کہ ہم نے اسی دن تہیّہ کر لیا کہ ہم باقی دنوں کے تمام روزے رکھیں گے۔ چنانچہ ہم نے دس سال کی عمر میں پندرہ روزے رکھے، ابوّ جان کو پتہ چلا تو وہ بے حد خوش ہوئے۔ اور انہوں نے ہمیں ایک خوبصورت گھڑی انعام کے طور پر دی۔ ہمارے دوست جب بھی ہم سے اس گھڑی کے بارے میں پوچھتے تو ہم ان کو مختصر سا جواب دیتے "بھیا! یہ روزوں والی گھڑی ہے۔ اور یہ بھی بتاتے کہ دنیا میں روزے رکھنے پر انعام ملا ہے تو ہمیں یقین ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ بھی انعام دیں گے کیونکہ وہ تو سب سے بڑے اور سب سے زیادہ انعام دینے والے ہیں۔

ابوّ سات سمندر پار

شاہنواز فاروقی

ابوّ سات سمندر پار
میری عید کہاں کی یار

یہ مہنگے جوتے کپڑے
بن ابوّ کے ہیں بے کار

جیب بھری ہے عیدی سے
لیکن دل ہے خالی یار

میٹھا شیر دلاتا ہے
یاد مجھے ابوّ کا پیار

امیّ باجی ہیں مصروف
آئے ہوئے ہیں رشتے دار

ہمسائے کے لڑکے سے
بھیا سیکھ رہے ہیں کار

دادا جی بھی بیٹھ گئے
لے کر بستر پر اخبار

ابوّ ہوتے تو مجھ کو!
خود ہی لے جاتے بازار

بہتر ہے سو جاؤں میں خوابوں میں کھو جاؤں میں

ڈاک ڈاک
کس کی ڈاک

مقصود احمد صدیقی، اورنگی ٹاؤن، کراچی۔ واہ آپ نے یہ خوب لکھا کہ "آپ ٹھہرے حاکمِ وقت اور ہم ۸۰ پیسے کا خط لکھنے والی رعایا" اور پھر اسی خط میں اتنی ساری شکایتیں۔ یقین مانیں ہم ہرگز خوشامد پسند نہیں۔ ہمیں اپنے اُوپر تنقید اچھی لگتی ہے۔ بشرطیکہ وہ جائز ہو اور ہاں! آپ اپنی کوئی تحریر ارسال کریں۔ اُمید ہے آپ کے امتحانات اچھے ہوئے ہوں گے۔

سائمہ محمود، لاہور:۔ بھئی ناقابلِ اشاعت تحریروں کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ اگر ہر ماہ ہم فہرست شائع کرنے لگیں تو سارا پرچہ فہرستوں سے بھر جائے۔ پھر بھی ہم آپ کی تجویز پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ قہقہہ نمبر کیسا لگا؟

محمد مشتاق بندر روڈ، لاہور:۔ قلمی دوستی کے کالم میں لڑکیاں شوق سے حصّہ لے سکتی ہیں البتّہ ہم ان کی تصویریں شائع نہیں کرتے ہیں۔ یہ ہماری پالیسی ہے اور اگر آپ غور کریں گے تو ہماری پالیسی سے اتفاق کریں گے۔

گل شیر علی سنی، پشاور صدر:۔ اپنی تحریر نہ دیکھ کر آپ غمزدہ ہو گئے۔ لیکن کیوں؟ ہم تو آپ کو بہت بہادر اور باہمّت ادیب سمجھتے ہیں اور باہمّت ادیب وہ ہوتا ہے جو ہمّت ہارے بغیر لکھتا ہی رہتا ہے اور کسی نہ کسی دن اس کی تحریر چھپ ہی جاتی ہے۔

صوفیہ خالد، ملیر کینٹ، کراچی:۔ اس کالم میں صرف ان خطوں کا جواب دیا جاتا ہے جس میں کوئی جواب طلب بات پوچھی گئی ہو، کوئی مشورہ اور تجویز دی گئی ہو۔ جن خطوں میں کوئی خاص بات ہی نہیں ہوتی بھلا بتائیے ان کا کیا جواب دیا جائے۔ آپ جو تحریر بھی بھیجنا چاہیں لفافے میں بند کر کے آنکھ مچولی کا پتہ لکھ کر بھیج دیں۔

ایم اکرم سیال ڈکی، تحصیل ننکانہ صاحب:۔ آپ نے بالکل اُلٹی بات لکھی۔ ارے بھائی، اب تو شہر والے گاؤں والوں کے ساتھ چلنے میں اپنی عزّت سمجھتے ہیں۔ آنکھ مچولی کی تعریف میں آپ نے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے۔ شکریہ۔ جن غلطیوں کی آپ نے نشاندہی کی ہے اسے ہم نے نوٹ کر لیا ہے۔

امان اللہ میمن میر پور خاص:۔ آپ کا خط آنکھ مچولی کے ساتھیوں کی دلچسپی کے لیے ہم نقل کر رہے ہیں۔ آپ نے لکھا ہے "ہر ماہ ایک پھول (آنکھ مچولی) ہمارے گھر میں آتا ہے۔ ہم سب گھر والے اُسے سُونگھتے (پڑھتے) ہیں۔ اس کی خوشبوئیں (تحریریں) ہمیں بہت پسند ہیں۔ سونگھنے کے بعد ہم اُسے اپنے پیارے گلدان (لائبریری) میں سجا دیتے ہیں"۔

ذیشان ہاشمی، شادمان ٹاؤن، کراچی:۔ مارچ کے شمارے پر تفصیلی تبصرے کا شکریہ۔ "آؤ ملائیں ہاتھ" میں اپنا تعارف شوق سے بھیجیے تاکہ آپ کے دوستوں کا حلقہ وسیع ہو۔ آپ کی تجاویز نوٹ کر لی گئی ہیں۔

ملک جاوید اقبال، راولپنڈی:۔ قہقہہ نمبر میں آپ نے اپنی تحریریں دیکھ لی ہوں گی۔ اب اپنی خفگی دُور کر لیجیے۔ آپ کی مزید تحریروں کا انتظار رہے گا۔

شاہینہ زبیری، راولپنڈی:۔ آپ کا پہلا خط ردّی کی ٹوکری کی نذر ہو گیا۔ جس کا ہمیں افسوس ہے۔ لیکن اس میں قصور آپ ہی کا ہے۔ بھئی خط لکھیں تو ایسا کہ اُسے نظر انداز نہ کیا جا سکے۔ رسالے کے سلسلے میں کوئی مشورہ، کوئی تجویز، کچھ اور نہیں تو رسالے پر مناسب تنقید، بھیجئے آپ کے خط کا جواب ہم نے دے دیا۔ اب آپ اپنے وعدے کے مطابق ہمیں دنیا کا سخی ترین انکل تصوّر کر لیں۔

نورین فاطمہ، پی آئی ڈی سی، کراچی:۔ آپ نے آصف اقبال کی نظم "طوطا" پر الزام لگایا ہے کہ یہ نقل ہے۔ اگر یہ الزام درست ہے تو نہایت بُری بات

ہے اور ہم اس کے خلاف کارروائی کریں گے۔ آپ نے بالکل درست لکھا ہے کہ مزہ تو جب ہے کہ آدمی خود لکھے۔

محمد ناصر خان بلوچ، بیک وت آس:- آنکھ مچولی اچھا لگا شکریہ۔ آپ بھی تو ہمیں اچھے لگتے ہیں۔ لطیفہ بھی اچھا ہُوا تو اچھے طریقے سے شائع کر دیا جائے گا۔

شفقت علی مصر، کھاریاں:- لطیفے اگر اچھے ہوں، نئے ہوں، کھلکھلاتے ہوئے ہوں تو ہر صورت میں چھپتے ہیں، کیونکہ ایسے لطیفوں کی تو ہمیں خود ضرورت رہتی ہے۔ اب آپ دیکھئے کہ کیا آپ کے بھیجے ہوئے لطیفے ایسے ہی تھے؟

محمد انجم مبین، ڈیرہ اسماعیل خان:- آپ اپنی نانی پینٹنگ شوق سے بھیجئے۔ اسے دیکھنے کے بعد ہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اسے کہاں، کب، کیسے اور کیوں کر چھاپا جائے۔

اے رفعت احمد، لاہور:- اپنی کہانیاں چھپنے کی حسرت آپ دل میں لیے بیٹھی ہیں لیکن کہانیاں ہیں کہاں؟ بھئی پہلے کہانیاں تو بھیجئے اور احمد ندیم قاسمی صاحب آپ کی درخواست پر ہمیں اپنی کوئی کہانی بھیج دیں تو اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ وہ شمارہ آپ کی خدمت میں اعزازی پیش کیا جائے گا۔

سحر ناز، ملتان روڈ، لاہور:- نئی تحریریں، کے صفحات بڑھانے کی تجویز زیرِ غور ہے اور ہاں ابھی ہم نے آپ کی کہانی پڑھی بھی نہیں اور آپ نے اس کی غلطیاں گنوانی شروع کر دیں۔ بھئی اگر غلطیاں تھیں تو آپ اُسے دُرست کر کے بھیجتے نا... چلیے کوئی بات نہیں۔

کامران منیر، لیہ:- ہماری پیاری پیاری سی ردّی کی ٹوکری کو آپ نے "زنبیل" قرار دے دیا ہے اور لکھا ہے کہ تمام دنیا کے خزانے ہڑپ کر کے بھی اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور یہ کہ کسی دن آپ دیو بن کر آئیں گے اور اس زنبیل کو چھین کر لے جائیں گے۔ چلئے آپ نے اپنا مسئلہ تو خود ہی حل کر لیا۔ دو شماروں کے لیے دس روپے کا منی آرڈر بھیج دیجئے۔ ناول لکھنے سے پہلے آپ ہمیں کہانی بھیجئے۔

ذیشان احمد، سرگودھا:- یہ سُن کر خوشی ہوئی کہ آنکھ مچولی سے آپ کو اتنی محبت ہے کہ امتحان کے زمانے میں بھی آپ نے اس کا مطالعہ کیا۔ ویسے صحیح طریقہ یہ ہے کہ امتحان کے زمانے میں آپ اپنے اس محبوب رسالے کو احتیاط سے رکھ دیا کریں اور جی لگا کر امتحان کی تیاری کریں۔ امتحان کے بعد رسالہ پڑھنے میں زیادہ مزہ آئے گا۔ "آنکھ مچولی" کی خواہش ہے کہ اس کے ساتھی بہترین طالب علم بنیں اور امتحان میں شاندار نمبروں سے کامیاب ہوں۔ آپ کا پہلا خط بدقسمتی سے ہمیں نہیں ملا۔

مصر بن ناز تبسم، فیڈرل بی ایریا، کراچی:- آنکھ مچولی جب اپنے پیارے پیارے ساتھیوں کو کوئی تحفہ دیتا ہے تو اس کا اعلان ٹائیٹل پر موجود ہوتا ہے۔ اگر ٹائیٹل پر اسٹیکر کا ذکر ہو اور رسالے سے اسٹیکر غائب ہو تو آپ دکاندار سے دوسری کاپی طلب کیجئے۔ بچوں کا حق مارنا بڑے گناہ کی بات ہے۔ خدا ایسے لوگوں کو راہِ راست پر لائے۔

عِفّت جمیل، چکوال:- آپ نے یہ کہہ کر ہمارا دل دُکھایا ہے کہ ہم صرف کراچی والوں کی کہانیاں چھاپتے ہیں۔ اگر اچھی کہانیاں پڑعیدن اور جھنڈو سے بھی موصول ہوتی ہیں تو ہم انھیں ضرور شائع کرتے ہیں۔ ہم صرف یہ دیکھتے ہیں کہ "کیا لکھا گیا ہے"؟ اس پر غور ہی نہیں کرتے کہ "کہاں سے لکھا گیا ہے"۔

امروز خان، مردھیری، پشاور:- "میں فقیر کی طرح ہوں اور فقیر کا احترام آپ پر، بلکہ سب لوگوں پر فرض ہے"۔ پیارے امروز خان! آپ کی یہ بات بہت غور کرنے پر بھی ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر یہ انکسار ہے تو اتنی انکساری اچھی نہیں ہوتی بھئی۔ یہی بہت ہے کہ آپ آنکھ مچولی کے قاری ہیں اور ہمارے بھائی ہیں۔ جس طرح آپ نے یہ خط بھیجا ہے، اُسی طرح دوسری چیزیں بھی بھیج سکتے ہیں۔

عامر مسعود، مقام نامعلوم:- آپ نے "اقبال اور ظرافت" کے حوالے سے مضمون لکھا، اس کی ہم داد دیتے ہیں۔ موضوع بہت اچھا چُنا آپ نے، لیکن وہ ہمارے معیار پر پورا نہیں اُترا۔ مضمون بھیجنے اور پہلی بار خط لکھنے کے لیے ہم آپ کے ممنون ہیں۔

سیّد توقیر حسین، گرین ٹاؤن، کراچی:- ہمیں افسوس ہے کہ قہقہہ نمبر میں آپ کی تحریر "شوقیہ شاعر کا انٹرویو" شائع نہ ہو سکی۔ چونکہ آپ شوقیہ لکھنے والے ہیں اس لیے اُمید ہے، مایوس نہیں ہوں گے۔

حبیب علی شاہ، لانڈھی، کراچی:- آپ نے لکھا ہے کہ آنکھ مچولی پڑھنے پر آپ کے دوست آپ پر ہنستے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ شاید آپ کے دوست لکھنے پڑھنے کی اہمیت سے واقف نہیں۔ اگر وہ واقف ہوتے تو بجائے آپ پر ہنسنے کے اپنے آپ پر روتے اور خود بھی کچھ لکھتے پڑھتے۔ آنکھ مچولی اپنے معیار کے اعتبار سے سات سال سے ستر سال تک کی عمر کے لوگوں کی دلچسپی کا رسالہ ہے۔ رہا سوال آپ کی تحریر "شیخ نورالدین" کا تو اس سلسلے میں انتظار فرمائیے۔

محمد علی، رشید آباد، کراچی:- فروری کے شمارے میں آپ کو جو جواب دیا گیا، اس میں کتابت کی ایک غلطی ہوگئی، جس کی وجہ سے آپ کے دوستوں کو آپ کا مذاق اُڑانے کا موقع ملا۔ آپ اپنی تحریر سے ایک نہایت عقلمند اور سُلجھے ہوئے ذہن کے نوجوان لگتے ہیں۔ آپ کے دوستوں کو تو خوش ہونا چاہیئے کہ آپ جیسے ذہین شخص کی صحبت انھیں میسر ہے۔

کلیم احمد کھوکھر، گھوٹکی:- شکر ہے آپ کو خطوں کے جواب پسند آئے۔ رسالہ دیر سے سہی، مگر آپ کے شہر میں پہنچتا تو ہے۔ امتحانات سے فارغ ہو کر اپنی تحریریں ضرور بھیجیے۔ ہم منتظر رہیں گے۔

سیّد عامر ملی نواب شاہ :۔ بھئی پہلے اپنی نظم تو بھیجیں۔ نظم پڑھے بغیر کیسے وعدہ کیا جا سکتا ہے، چھپے گی کہ نہیں۔

ریاض مشتاق اور اشفاق۔ میاں چنوں :۔ آپ نے خواہش ظاہر کی ہے کہ آپ کی تصویر سرورق پر چھپے اور ساتھ ہی آپ نے ہمیں یہ لالچ بھی دیا ہے کہ اس کی جتنی فیس ہوگی آپ ادا کریں گے۔ میرے عزیز! آنکھ مچولی کے سرورق پر عام طور پر جانوروں کی تصویریں چھپتی ہیں۔ اگر آپ اس نکتے پر غور کریں گے تو امید ہے، اپنی فرمائش واپس لے لیں گے۔

مہتاب یوسف۔ کوٹ سارنگ :۔ آپ کے تین خطوط نہ جانے کہاں رہ گئے۔ ہماری ردّی کی ٹوکری اب اتنی بھر چکی ہے کہ اس میں آپ کے خطوط تلاش کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا آپ انھیں بھول جائیے۔ آپ کو آنکھ مچولی پسند ہے۔ آپ ہمیں پسند ہیں۔ آپ کی تجاویز نوٹ کرلی گئی ہیں۔

صائمہ افضل۔ نیو دھرم پورہ۔ لاہور :۔ "اُو ملائم ہاتھ" کے لیے آپ کا تعارف نامکمل ہے۔ اسے مکمل کر کے کوپن کے ساتھ بھیجیے۔ آپ کا یہ جذبہ لائقِ ستائش ہے کہ آپ ماہرِ نفسیات بن کر پاگل لوگوں کا علاج کرنا چاہتی ہیں۔ خدا آپ کو اپنے ارادے میں کامیاب کرے۔

فاطمہ شیخ خان۔ لیاقت آباد، کراچی :۔ بھئی آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہوگئیں۔ آپ کا کیپشن پسند نہیں آیا، اس لیے نہیں چھپا۔ اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔ چلیے غصّہ تھوک دیجیے اور اپنی کہانی اور لطائف پہلی ڈاک سے روانہ کیجیے۔

خادم حسین کیہری بلوچ۔ لطیف آباد، حیدرآباد :۔ آپ کی شکایت بجا، لیکن ہمارا عذر بھی تو سُنیے۔ آپ کی تصویر دائرہ معلومات میں اس لیے شائع نہیں ہوئی، کیونکہ کسی اور کی بھی نہیں چھپی۔ مسئلہ یہ ہے کہ درست جوابات ارسال کرنے والوں کی تصاویر مطلوبہ تعداد میں نہیں آ رہیں۔

جاوید احمد، سندھی ہوٹل، کراچی :۔ "قہقہہ نمبر" آپ نے یقیناً پڑھ لیا ہوگا، اور آپ کو آپ کے سوال کا جواب مل چکا ہوگا۔ اُمید ہے آپ خیریت سے ہوں گے!

علی مرتضیٰ۔ شادمان ٹاؤن، کراچی :۔ اگر کسی مصنف کی کوئی تخلیق اچھی ہو تو اس کا پتا اس مصنّف کو پہلے ہی سے ہوتا ہے۔ پھر ایک ہی تحریر کچھ لوگوں کو پسند آتی ہے اور کچھ کو ناپسند، اس کے باوجود ہم آپ کی تجویز پر غور کریں گے تاکہ کسی کہانی پر بچّوں کی پسندیدگی کا اظہار ڈاک ڈاک میں ہو سکے۔ سسپنس نمبر کی تجویز پر فی الوقت غور کرنے کے لیے ہم بالکل تیار نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ہمیں "قہقہہ نمبر" کے بعد سالنامہ بھی تو لانا ہے۔

ضرغام کے راجہ۔ سعود آباد کراچی :۔ بھئی آپ لوگوں کی نظریں بلاشبہ بہت تیز ہیں اور ہر نقل شدہ تحریر کو آپ لوگ فوراً پکڑ لیتے ہیں۔ لیکن ہر ایک تحریر پر شک و شبہ کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ کہانی "ہڑتال" پہلی بار "آنکھ مچولی" ہی میں شائع ہوئی ہے۔ ہاں اگر آپ ثابت کردیں تو ہم آپ کو انعام دیں گے۔

محمد سلیمان ڈاھر۔ خان پور :۔ مقابلہ کیپشن کا مطلب ہے تصویر کی مناسبت سے سُرخی لگائیں۔ آپ کی تجاویز نوٹ کرلی گئی ہیں میرے پیارے پیارے بھائی!

ثمینہ اختر مسعود۔ ملتان :۔ آپ بھی کمال کرتی ہیں، جب آپ کی کہانی چھپنے کے لائق ہے تو ہم اسے ردّی کی ٹوکری میں کیسے پھینک دیں۔ اچھا اب آپ ایسا کیجیے کہ فوٹو اپنی اور تحریریں بھی بھیج دیجیے۔

فضٹ فضٹ

ذیشان ہاشمی، کراچی۔

انگریزی کے تمام حروف کو اردو کے الفاظ سمجھ کر پڑھئے پھر دیکھئے کیا بنتا ہے؟

C ماکو چائے دو، میں KP ا ہوں، تم P لو۔

نانی G کو BT ہے۔

با G میرے کپڑے O دیں۔

ایدھی سب K کام آتا ہے۔

G T روڈ K قریب والی دکان پر B مار آدمی سگریٹ P رہا ہے۔

امّی G U سف بھائی کی B V دو گھنٹے سے I بیٹھی ہیں۔

بڑھئی آری سے میز K کونے کاٹ رہا ہے۔

میز K کونے پر کھان C کی دوا E رکھی ہے۔

مُحمّد اسلمؔ شیخوپوریؔ

اس مہینے کا نام کیسے پڑا؟

رمضان المبارک

رمضان المبارک قمری سال کا نواں مہینہ ہے۔ رمضان لفظِ "رمض" سے بنا ہے۔ اور "رمض" کے کئی معنی ہیں، مثلاً سخت گرمی کی وجہ سے پاؤں جلنا، سخت پیاسا ہونا، جلا دینا، دو پتھروں کے درمیان نیزے کے پھل کو کوٹنا چونکہ اس مہینے میں گرمی عروج پر ہوتی تھی۔ پاؤں جلتے تھے، سخت پیاس لگتی تھی۔ اس لیے اسے رمضان کہا جاتا ہے۔ بعض علما کہتے ہیں کہ چونکہ اس مبارک مہینے میں روزے رکھنے سے گناہ جل جاتے ہیں اس لیے اس کو رمضان کہتے ہیں۔ یہ مہینہ سب مہینوں سے زیادہ فضیلت و عظمت والا ہے۔ اس ماہ مبارک کی ستائیسویں شب میں قرآن نازل ہوا یہ رات تمام راتوں سے زیادہ فضیلت والی ہے۔ قرآن میں ہے کہ اس رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ بہتر ہے اس مہینے میں ہر عاقل بالغ مسلمان پر روزے رکھنا فرض ہے۔ ۱۷ رمضان المبارک تاریخی اہمیت کا حامل دن ہے اس دن کافروں اور مسلمانوں کی پہلی باقاعدہ جنگ، بدر کے مقام پر ہوئی۔ جس میں تین سو تیرہ/۳۱۳ مسلمانوں نے ایک ہزار کفّار کو شکستِ فاش دی ۵۸ ھ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وفات اور ۴۰ ھ میں حضرت علیؓ کی شہادت بھی اسی دن واقع ہوئی۔ ۲۰ رمضان المبارک ۸ ھ کو مسلمانوں نے مکّہ کو فتح کر لیا۔ اور پہلی دفعہ آزادانہ طور پر کعبہ میں اپنے رب کی عبادت ادا کی۔ کفر ذلیل ہوا اور اسلام کا بول بالا ہوا۔

سید عرفان علی یوسف

انسان نے لکھنا کیسے سیکھا؟

یہ آج سے ہزاروں سال پہلے کی بات ہے جب انسان غاروں میں رہتا تھا اور اسے لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا۔ آپس میں گفتگو کے لیے انسان جو بولی استعمال کرتا تھا۔ اس میں زبان کا استعمال کم اور اشاروں کا استعمال زیادہ ہوتا تھا۔ غاروں میں رہنے والے انہی انسانوں میں ایک شخص تیگومالی تھا۔ جو اپنی بیوی اور ایک بیٹی کے ساتھ ایک غار میں رہتا تھا۔ اس غار کو انھوں نے شکار کیے ہوئے جانوروں کی کھالوں سے سجایا ہوا تھا۔ جنگلی جانوروں کو غار سے دور رکھنے کے لیے وہ رات کو غار کے دروازے پر آگ جلا دیتے۔ تیگومالی روزانہ صبح اُٹھ کر اپنا نیزہ سنبھالتا اور شکار پر چلا جاتا۔ دن بھر میں وہ جتنے جانور شکار کرتا یا مچھلیاں پکڑتا انھیں وہ اپنے غار میں لے آتا۔ جہاں آگ پر بھون کر وہ، اس کی بیوی اور لڑکی اپنا پیٹ بھر لیتے۔ ان کی زندگی اسی طرح گزر رہی تھی۔

ایک دفعہ تیگومالی مچھلی کے شکار کے لیے نکلا۔ اس کے ساتھ اس کی لڑکی کامنی بھی تھی۔ وہ نیزے سے مچھلی کا

شکار کرتا تھا۔ اس کا نیزہ لکڑی کا بنا ہوا تھا جس کے سرے پر شارک کے دانت لگائے گئے تھے۔ تیگومالی دریا کے کنارے اپنا نیزہ سنبھال کر بیٹھ گیا اور کسی بڑی مچھلی کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔ اچانک اُسے ایک بڑی مچھلی نظر آئی جوں ہی مچھلی قریب آئی تیگومالی نے اپنا نیزہ پوری طاقت سے اس پر مارا۔ مچھلی بہت چالاک اور پھرتیلی تھی۔ نیزہ اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ فوراً اپنی جگہ سے ہٹ گئی۔ تیگومالی کا نیزہ مچھلی کے لگنے کے بجائے نیچے سخت پتھروں سے ٹکرایا اور وہیں ٹوٹ گیا۔

اب تو تیگومالی بے حد پریشان ہوا کہ کیا کرے۔ کامنی نے اپنے باپ کو پریشان دیکھا تو بولی "ابّا۔ میں غار کی طرف جاتی ہوں اور آپ کا دوسرا نیزہ لے آتی ہوں"

تیگومالی نے کہا "بیٹا کامنی۔ غار یہاں سے بہت دُور ہے اور راستے میں خطرناک جانوروں کے حملے کا خطرہ بھی ہے۔ میں تم کو اکیلا نہیں بھیج سکتا" اس کے بعد وہ بیٹھ گیا اور اپنے نیزے کی مرمّت کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

اسی وقت دریا کے کنارے پر ایک آدمی نظر آیا۔ اس کا تعلق کسی دور دراز قبیلے سے تھا۔ کامنی نے اُسے دیکھا تو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ وہ آدمی قریب آیا تو کامنی نے اُس سے کہا کہ "اس کے باپ کا نیزہ ٹوٹ گیا ہے۔ ان کا گھر شمال کی طرف ایک پہاڑ پر واقع غار میں ہے۔ وہاں اُس کی ماں رہتی ہے۔ اگر وہ وہاں جائے اور اُس کی ماں سے نیزہ مانگ کر لادے تو بڑی مہربانی ہوگی"

اجنبی آدمی کچھ سمجھے بغیر اس کی شکل دیکھتا رہا۔ وہ کامنی کی بولی نہیں جانتا تھا اس لیے کامنی جو کچھ کہہ رہی تھی اُسے بالکل نہیں سمجھ رہا تھا۔

کامنی کا باپ اُسی طرح منہ پھیرے اپنے نیزے کی مرمّت کرنے میں مصروف تھا۔ اجنبی آدمی سوچنے لگا "یہ لڑکی کتنی عجیب ہے اور یہ شخص ضرور اپنے قبیلے کا سردار ہے"

اجنبی نے سفیدے کے درخت کی سفید لکڑی توڑی اور لڑکی کی طرف بڑھا دی۔ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ ان کا دوست ہے۔

جب کامنی اپنی بات اُسے سمجھانے میں ناکام رہی تو اُس نے چمڑے کا ایک ٹکڑا اُٹھایا۔ اُس کے بعد اجنبی کے گلے میں پڑے ہوئے شارک مچھلی کے دانتوں کے ہار سے ایک دانت توڑ لیا اور اس سے چمڑے کے ٹکڑے پر تصویر بنانے لگی۔ وہ اس طرح اپنی ماں کو یہ پیغام دینا چاہتی تھی کہ اُس کے باپ کو دوسرے نیزے کی سخت ضرورت ہے۔

پھر اس نے تصویریں بناتے ہوئے اجنبی سے کہا "تمہیں یہ تصویریں لے کر شمال کی طرف غار میں جانا ہوگا۔ میں سب سے پہلے اپنے ابّا کی تصویر بناتی ہوں کہ وہ نیزے سے مچھلی کا شکار کر رہے ہیں۔ اب میں دوسری تصویر بناتی ہوں۔

جس میں ان کا نیزہ ٹوٹ گیا ہے۔ اس سے امی سمجھ جائیں گی کہ ابا کو دوسرے نیزے کی ضرورت ہے۔ اب میں اپنی تصویر بناتی ہوں اور اس تصویر میں میرے سر کے بال کھڑے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ اگرچہ میرے بال ایسے نہیں ہیں لیکن مجھے ایسے ہی بال بنانے آتے ہیں۔ اب میں تمھاری تصویر بناتی ہوں۔ تمھاری تصویر اتنی خوبصورت تو نہیں ہے جتنے تم ہو لیکن میں اس سے اچھی تصویر نہیں بنا سکتی۔"

اجنبی تصویریں دیکھ کر مسکرایا اور سوچنے لگا کہ "یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ضرور کوئی بڑی جنگ ہو رہی ہے۔ یہ شخص اپنے قبیلے کا سردار ہے۔ یہ لڑکی چاہتی ہے کہ میں ان کے قبیلے کو مدد کے لیے بلاؤں۔"

"دیکھو" کامنی نے اجنبی سے کہا۔" اب میں تمھیں بتاتی ہوں کہ تم ہمارا غار کس طرف تلاش کر سکو گے۔ جب تم اس طرف آگے جاؤ گے تو تمھیں دو بڑے بڑے درخت ملیں گے اس کے بعد ایک پہاڑی آئے گی اس پہاڑی کے نیچے ایک دلدل ہے جس میں اود بلاؤ رہتے ہیں۔ میں ان کی تصویر نہیں بنانا جانتی اس لیے صرف ان کے سر بنا دیتی ہوں۔ جب تم دلدل سے آگے جاؤ گے اور اگر تم دلدل میں گرنے سے بچ گئے تو تمھیں ہمارا غار نظر آجائے گا۔ جس کے دروازے پر میری امی بیٹھی ہوں گی۔ وہ بہت خوبصورت ہیں۔ جب تم انھیں میری بنائی ہوئی تصویریں دو گے تو وہ ساری بات سمجھ جائیں گی اور تمھیں ابا کا نیزہ دے دیں گی۔ میرا خیال ہے کہ تم میری بات پوری طرح سمجھ گئے ہو۔ ٹھیک ہے نا۔"

اجنبی آدمی نے اس کی بات سن کر زور سے سر ہلایا۔ کامنی کے ہاتھ سے تصویریں لیں اور اس جانب روانہ ہو گیا۔ جس طرف کامنی نے اشارہ کیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا "جب میں یہ پیغام وہاں پہنچاؤں گا تو اس کے قبیلے کے لوگ بے حد خوش ہوں گے اور میری بہت آؤ بھگت کریں گے۔" وہ تیزی سے بھاگتا ہوا دو درختوں کے قریب سے گزرا۔ پھر چھوٹی سی پہاڑی پر چڑھا تو اس کا سانس بری طرح پھول گیا۔ پہاڑی کے بعد وہ دلدل تھی جس کی تصویر کامنی نے بنائی تھی۔ دلدل کے کنارے پر اود بلاؤ بیٹھے تھے۔ جو اسے دیکھ کر پانی میں کودنے لگے۔ وہ دلدل سے بچتا ہوا آگے بڑھا تو ایک اور پہاڑ آگیا جس کے نیچے دامن میں ایک غار نظر آ رہا تھا۔ اس غار کے دروازے پر ایک خوبصورت عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس عورت کی شکل کامنی سے بہت ملتی جلتی تھی۔ وہ کامنی کی ماں تھی۔

اجنبی نے عورت کے قریب پہنچ کر تصویریں اس کے ہاتھ میں دے دیں۔ اور خود نیچے بیٹھ کر سانس درست کرنے لگا۔ عورت نے تصویریں دیکھ کر ایک زوردار چیخ ماری۔ اس کی چیخ سن کر پانچ چھ عورتیں غار سے باہر نکل آئیں۔ عورت نے اجنبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چیخ کر کچھ کہا۔ جسے سنتے ہی ساری عورتیں دوڑ کر اس سے لپٹ گئیں اور اسے نیچے گرا کر اس کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گئیں۔ کامنی کی ماں مسلسل چلاتی رہی۔ ذرا دیر میں اس کی چیخ و پکار سن کر پورا قبیلہ جمع ہو گیا۔

کامنی کی ماں تصویریں دیکھتی جاتی تھی اور چلّا چلّا کر اس کی وضاحت کرتی جاتی تھی: "اس نے میرے شوہر کو نیزوں سے مارا ہے۔ یہ خوفناک منظر دیکھ کر میری بیٹی کے سر کے تمام بال کھڑے ہو گئے ہیں۔ میرے شوہر کا نیزہ ٹوٹ گیا ہے۔ یہاں ایک دشمن اس پر نیزے سے حملہ کر رہا ہے۔ یہ اس پہاڑی کے پیچھے بہت سارے دشمن حملہ کرنے کے لیے آرہے ہیں۔" (یہ دلدل کی تصویر تھی جس میں کامنی نے اود بلاؤ کے بہت سے سر بنائے تھے۔)

قبیلے کے سردار نے یہ باتیں سنیں تو فوراً پورے قبیلے کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ اس دوران عورتوں نے چکنی مٹّی اجنبی آدمی کے سر میں بھر دی اور اس کے ہاتھ پیچھے کس کر باندھ دیے۔ بے چارہ اجنبی اپنے استقبال کا یہ منظر دیکھ کر حیران تھا۔ تھوڑی دیر میں پورا قبیلہ نیزوں سے مسلح ہو کر آگے روانہ ہوا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ سب شور مچاتے ہوئے دریا کے قریب پہنچ گئے۔ ان کے شور وغل اور ہنگامے سے ساری مچھلیاں بھاگ گئیں۔

کامنی کی ماں نے جب کامنی کو ٹھیک ٹھاک حالت میں پایا تو بھاگ کر اس کے پاس پہنچی اور اسے خوب پیار کیا۔ کامنی کا باپ بھی دریا کے کنارے سے اوپر آگیا۔ اُسے محفوظ پاکر قبیلے کے سردار نے چلّا کر اس سے کہا۔ "دشمن کہاں ہے؟"

"یہاں کوئی دشمن نہیں ہے۔" کامنی کے باپ نے کہا۔ "میرا اوّلاً ملاقاتی تو یہ غریب اجنبی ہے جسے تم نے باندھ رکھا ہے۔ کیا تم لوگ پاگل ہو گئے ہو۔ اسے کھول دو یہ ہمارا دوست ہے۔"

"میں سب بات بتاتی ہوں۔" کامنی آگے بڑھ کر بولی۔ "یہ رحم دل اجنبی میری بنائی ہوئی تصویریں لے کر ماں کے پاس گیا تھا تاکہ ماں میرا پیغام سمجھ کر اُسے ابّا کا دوسرا نیزہ دے دے۔ لیکن تم لوگ بے حد ظالم اور احمق ہو کہ اس رحم دل اجنبی پر ظلم کر رہے ہو۔"

تھوڑی دیر تک کوئی شخص کچھ بھی نہ بولا۔ یہاں تک کہ سردار نے ایک قہقہہ لگایا۔ سردار کے بعد اجنبی نے بھی ایک قہقہہ لگایا۔ اس کے بعد پورا قبیلہ زور زور سے ہنسنے لگا۔

پھر سردار زور سے چلّایا۔ "کامنی تم نے ایک زبردست چیز ایجاد کی ہے اگر تم نے تصویریں صحیح بنائی ہوتیں تو تمھاری ماں تمھارے پیغام کا غلط مطلب نہ لیتی۔ لیکن تم نے ایک بڑا کام کیا ہے۔ اب ہم اس طریقے سے ایک دوسرے کو پیغام دے سکتے ہیں۔ تم نے غلطی یہ کی کہ ایک ایسے آدمی کو پیغام دے کر بھیجا جو ہماری بولی نہیں جانتا تھا۔ ہم نے اس اجنبی کے ساتھ جو بُرا سلوک کیا اس پر ہمیں افسوس ہے۔"

اس کے بعد سردار نے اجنبی کے ہاتھ کھولنے اور اس کے سر کی مٹّی دھو ڈالنے کا حکم دیا۔

اس دن کے بعد سے تصویریں تحریر کی زبان کے طور پر باقاعدہ استعمال ہونے لگیں اور تحریر ایجاد ہو گئی۔

شین فاروقی

بہتی ہوئی ناک، ایک مسئلہ

آپ کسی ایسے شخص کو دیکھیں جس کی ناک اور آنکھیں سُرخ اور سُوجی ہوئی ہوں اور ان سے مسلسل پانی بہہ رہا ہو اور اُسے وقفے وقفے سے زوردار چھینکیں بھی آ رہی ہوں تو ظاہر ہے آپ کے لیے یہ سمجھنا نہایت آسان ہوگا کہ اس شخص پہ نزلے کا شدید حملہ ہُوا ہے۔ واقعی نزلہ ایک مُوذی اور متعدی مرض ہے۔ جو ہر سال دنیا بھر میں اربوں لوگوں کو لاحق ہوتا ہے۔ اور دنیا بھر میں لوگ اس بیماری سے نجات حاصل کرنے کے لیے کھربوں روپے دوائیوں وغیرہ پر خرچ کرتے ہیں۔ نزلہ اگرچہ کوئی خطرناک بیماری نہیں ہے لیکن یہ اس اعتبار سے ہر فرد کے لیے اتنا نقصان دہ ضرور ہے کہ اس کا شکار ہو کر لوگ اسکول کالج اور دفتروں سے چار پانچ دن کے لیے چھٹی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

سائنسی تحقیقات کے مطابق نزلہ کئی ہزار برسوں سے ایک بیماری کی شکل میں کرۂ ارض پر موجود ہے۔

پُرانے زمانے میں نزلے کی حالت میں ناک سے نکلنے والے پانی کو انسانی دماغ کا ناقابلِ استعمال یا ضائع شدہ مادّہ یعنی (WASTE PRODUCT) سمجھا جاتا تھا۔ جس کا اُس وقت کوئی سائنسی علاج ممکن نہیں تھا۔ البتہ اس بیماری سے نجات حاصل کرنے کے لیے کئی طرح کے ٹوٹکے لوگوں میں مقبول تھے۔ مثلاً لوگوں کا عقیدہ تھا کہ بالوں والے چوہے کو پیار کرنے سے یہ بیماری دور ہو جاتی ہے۔ قدیم زمانے کی طرح آج بھی اس بیماری سے چھٹکارا پانے کے لیے دُنیا کے مختلف معاشروں میں کئی طرح کے ٹوٹکے مُروّج ہیں۔ جن میں نزلے کی حالت میں پیاز کھانا، سنترے کا گرم جُوس پینا اور آنسو گیس وغیرہ سونگھنا شامل ہیں۔

جہاں تک نزلے کی وجوہات کا تعلق ہے تو اس بارے میں طبّی تحقیق ثابت کر چکی ہے کہ یہ ایک طرح کا وائرس انفیکشن ہوتا ہے جو نظامِ تنفس کے بالائی حصّے کو متاثر کرتا ہے۔ اس عمل میں نزلے کے جراثیم انسانی جسم میں داخل ہو کر ناک اور گلے کی لعاب والی جھلّی کے کمزور خلیوں کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ تحقیقاتی رپورٹوں کے مطابق نزلے کے جراثیم اپنا مخصوص مادّہ ناک اور گلے کی لعاب والی جھلّی کے خلیوں میں داخل کر دیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں فوراً ہی نزلے کے مزید جراثیم پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ایک خلیے سے ایک ہزار کے قریب جراثیم پیدا ہوتے ہیں جو جلد ہی آس پاس کے دیگر خلیوں پر حملہ کر کے انھیں بھی اس بیماری کا شکار کر دیتے ہیں۔

انسانی جسم میں ان جراثیم سے مدافعت کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ ناک اور گلے کی جھلّی کے خلیے اپنی موت سے قبل نزلے کے جراثیم کے خلاف ایک مخصوص مادّہ انٹرفیرون خارج کرتے ہیں اور نہ صرف یہ بلکہ وہ اپنے آس پاس کے خلیوں کو مخصوص پیغام کے ذریعے اس بیماری کے حملے کی اطّلاع بھی کر دیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں دیگر خلیے ان جراثیم سے لڑنے کے لیے خود کو پہلے ہی تیّار کر لیتے ہیں۔

اگر جسم میں نزلے کے جراثیم زیادہ مقدار میں پھیلنے لگیں تو انسانی جسم اُن سے دوسرے طریقے اختیار کرتا ہے۔ ناک اور گلے کی لعاب والی جھلّی خون میں حدّت پیدا کرنے والا مادّہ خارج کرتی ہے جو خون کی نالیوں کو مزید کھول یا پھیلا دیتا ہے جس کے باعث دورانِ خون تیز ہو جاتا ہے اس طرح نزلے کے جراثیم سے متاثر ہونے والا حصّہ گرم ہو کر آہستہ آہستہ صحت مند ہونے لگتا ہے۔

اس وقت اکثر ترقی یافتہ ممالک میں بے شمار سائنس دان ایسی ادویات تیار کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں جو ہر طرح کے نزلے کے جراثیم کے خلاف مؤثر ثابت ہو سکیں۔ اب تک کی تحقیقات کے مطابق تقریباً ۲۰۰ طرح کے جراثیم مختلف النوع نزلے کا باعث بنتے ہیں اور اس وقت بازار میں جو دوائیں دستیاب ہیں وہ

صرف چند اقسام کے نزلے کے لیے مؤثر ہیں۔

اس وقت دنیا بھر میں نزلے کے خلاف سب سے مؤثر دوا انٹر فیرون ــــــــ ہے، یہ دوا انسانی خون کے سفید خلیوں سے حاصل کی جاتی ہے۔ تاہم اس کی ایک خوراک کی قیمت ۵۰ ہزار روپے ہے۔ مہنگی ہونے کے سبب یہ دوا ابھی مارکیٹ میں نہیں آسکی ہے۔ البتہ ابھی حال ہی میں سائنس والوں نے اس دوائی کی تیاری میں کام آنے والے ایک بیکٹر یا کو جینیا تی سائنس کی مدد سے اس دوائی کی تیاری کے لیے استعمال کیا ہے۔ جس کے باعث توقع ہے کہ اس دوائی کی ایک خوراک کی قیمت پچاس ہزار روپے سے کم ہو کر سترہ اٹھارہ روپے ہو جائے گی۔

اِس وقت دنیا میں نزلے سے بچاؤ کی سب سے مقبول دوا وٹامن سی سمجھی جاتی ہے۔ اس دوا کے استعمال کے سب سے بڑے حمایتی نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر لینس پاؤ لنگ ہیں۔ جن کا خیال ہے کہ وٹامن سی کے مسلسل استعمال سے انسانی جسم میں نزلے کے خلاف مدافعاتی صلاحیت کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

تاہم ابھی وٹامن سی کی افادیت کو ثابت کرنے کے لیے اسے ابھی بہت سے تجربات سے گزرنا ہوگا۔ چنانچہ ماہرین طب کا خیال ہے کہ ابھی ہم نزلے کے جراثیم سے محفوظ رہنے یا نزلہ ہو جانے کی صورت میں اس کا مکمل علاج کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں کر پائے ہیں۔ چنانچہ ایسی صورت میں ہمارے لیے صرف اتنا جان لینا بھی کافی ہوگا کہ ہم کس طرح اس بیماری کے جراثیم سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

دنیا کے مختلف اعلیٰ تعلیمی اور تحقیقی اداروں میں طلبہ و طالبات، محنت کشوں اور دیگر افراد پر ہونے والی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ عام طور پر یہ بیماری ہمیں کسی ایسے شخص سے، ہاتھ ملانے۔۔۔ یا اُسے پیار کرنے سے لگتی ہے جو خود اس کا شکار ہو۔ اس بیماری کے جراثیم اس طرح ایک شخص سے دوسرے شخص تک بآسانی پہنچ جاتے ہیں۔

ایک اندازے کے مطابق نزلے کے جراثیم تقریباً ۲ گھنٹے تک جسم کی اُوپری سطح پر کہیں بھی موجود رہتے ہیں۔ چنانچہ اس دوران جیسے ہی نزلے کے جراثیم کا حامل شخص اپنی ناک یا آنکھوں کو ہاتھ لگاتا ہے۔ یہ جراثیم اُس کے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ یہ بیماری سب سے زیادہ کس عمر کے شخص کو زیادہ لگتی ہے؟ اس سلسلے میں مشی گن یونیورسٹی کے ڈاکٹر آرنلڈ مونٹو نے ۱۱ سال تک تقریباً ایک ہزار افراد کو اپنے مشاہدے میں رکھ کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ ان میں سے کس کو کتنے وقت میں کتنی بار نزلہ ہوتا ہے؟ اس طویل تحقیق کے بعد ڈاکٹر مونٹو

نے جو رپورٹ مرتّب کی ہے اس کے مطابق چھوٹے بچّوں کو ایک سال میں عام طور پر تین سے چار بار نزلہ ہوتا ہے۔جب کہ ساٹھ سال کے بعد یہ شرح کم ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر مونٹو کی تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ خواتین خاص طور پر بیس سے تیس سال کے درمیان عمر رکھنے والی خواتین اس بیماری کا سب سے زیادہ شکار ہوتی ہیں۔

اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس بیماری کا شکار ہونے سے کس طرح بچا جائے تو اس ضمن میں ڈاکٹر حضرات کا خیال ہے کہ اگر آپ کے گھر میں کوئی شخص اس بیماری کا شکار ہو جائے تو کوشش کیجیے کہ گھر کا ہر فرد خوب اچھی طرح بار بار ہاتھ دھوئے۔ بیماری کا شکار ہونے والے فرد کے بلغم یا ناک سے بہتے ہوئے پانی کو کسی خاص ڈبے میں جمع کرنے کا بندوبست کریں۔ نیز گھر میں تازہ ہوا کے ہر وقت موجود رہنے کا انتظام کریں اور اپنے ہاتھوں کو جس قدر ممکن ہو اپنے چہرے سے دور رکھیں۔

لیکن اگر کوئی نزلے کا شکار ہو ہی جائے تو پھر کیا کیا جائے؟ طبّی ماہرین کا خیال ہے کہ نزلہ اگرچہ مخصوص وقت (عام طور پر سات سے دس دن) سے پہلے کسی شخص کی جان نہیں چھوڑتا تاہم اگر ہم مندرجہ ذیل اقدامات اختیار کریں تو نہ صرف یہ کہ نزلے کے باعث ہونے والی تکلیف اور اس کی شدّت کو کم کیا جا سکتا ہے بلکہ بیماری کے مخصوص عرصے کو بھی گھٹایا جا سکتا ہے۔

اگر آپ کو شدید نزلہ ہے تو زیادہ سے زیادہ وقت بستر پر رہنے کی کوشش کریں۔ کھانے میں محلول نما پتلی اشیاء استعمال کریں۔ نزلے میں مرغی کا سوپ فائدے مند تصوّر کیا جاتا ہے۔ نزلے میں ناک کے ذریعے بھاپ لینے سے سر کا درد یا بھاری پن کم ہو جاتا ہے۔

اگر آپ کا نزلہ سات سے دس دن میں ٹھیک نہ ہو تو سمجھیے کہ آپ فلو کا شکار ہو گئے ہیں۔ فلو کی نمایاں ترین نشانی یہ ہے کہ اس کے شکار کو ہلکا بخار ہو جاتا ہے۔ اگر بخار تین روز تک نہ اُترے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نمونیا یا ناک کی ہڈی بڑھنے کے مرض کا شکار ہو گئے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو آپ کو فوراً ہی کسی ماہر ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیے۔

نزلے کی تمام علامات موجود ہوں تو بہتر یہ ہوگا کہ آپ نزلے کی مختلف اقسام کے علاج کے لیے بازار میں دستیاب ادویات کو ڈاکٹر کے مشورے سے استعمال کریں۔

روزہ خور

ثانی نے خوانچے والے سے چھولے تولے لیے تھے، مگر اب اُسے احساس ہو رہا تھا کہ انھیں کھانا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اگر وہ سرِ عام کھانا شروع کر دیتا تو ممکن تھا، کوئی جذباتی شخص اسے مارنے لگ جاتا انٹر میں پڑھنے والا اچھا خاصا بڑا لڑکا رمضان کے مہینے میں سرِ عام کیسے کچھ کھا سکتا ہے؟ کالج سے چھٹی ہو گئی تھی اور صبح ناشتے کے بعد اُس نے کچھ کھایا تھا، نہ پیا تھا۔ اسے شدید پیاس اور بھوک کا احساس ہو رہا تھا۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ روزہ نہ رکھنے کے باوجود اس کی کیفیت کسی روزہ دار سے مختلف نہیں۔

ایک تنگ سی گلی دیکھ کر ثانی اُس میں گھس گیا اور ایک کھڑکی کے چھجّے سے ٹیک لگا کے کھڑا ہو گیا پھر اس نے دائیں بائیں دیکھا، پوری گلی خالی تھی۔ مطمئن ہو کر اس نے کاغذ پر لپٹا ہوا دھاگہ کھولنا شروع کر دیا۔ دھاگہ ہٹا کر اُس نے کاغذ بائیں ہتھیلی پر رکھا تو وہ اِدھر اُدھر کُھل گیا۔ چٹ پٹے مصالحے دار چھولے دیکھ کر اس کے منہ

میں پانی بھر آیا۔ اُس نے بے صبری سے ہاتھ بڑھایا۔ عین اُسی وقت کوئی بچہ چیخ چیخ کے رونے لگا۔ یکدم چیخ سُن کر وہ اُچھلا تو کاغذ نیچے جا گرا اور چھولے اس کے قدموں میں بکھر گئے۔ ثانی نے کھڑکی کی طرف غصّے سے دیکھ کر گھونسا لہرایا اور تیز تیز چلتا ہوا گلی سے نکل آیا۔

سحری کے وقت جب آپی ثانی کو اُٹھانے آئی تھیں تو اُس نے اُٹھنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ پھر امّی آئی تھیں، مگر اُس نے بہانہ کر دیا کہ اُس کی طبیعت خراب ہے۔ یوں اُس نے روزہ رکھنے سے جان بچالی تھی۔ اس کے لیے یہ تصوّر ہی خوفناک تھا کہ اُسے سارا دن بھوکا اور پیاسا رہنا پڑے گا۔ صبح وہ معمول کے مطابق اُٹھا تو ناشتہ ندارد۔ گھر میں سب لوگوں کا روزہ تھا۔ یہاں تک کہ چھوٹی سی نوین نے بھی روزہ رکھا تھا۔ وہ شرمندگی کے مارے آپی کو ناشتے کے لیے کہہ بھی نہ سکا اور خاموشی سے غسل خانے میں گھس گیا۔ جب وہ نہا کر نکلا تو آپی باورچی خانے میں بیٹھی ناشتہ تیار کرتی نظر آئیں۔ وہ خوش تو ہُوا مگر دل ہی دل میں اُسے شرمندگی کا بھی احساس ہُوا وہ بال خشک کر کے خاموشی سے آپی کے پاس آبیٹھا۔ آپی بڑبڑائیں۔ روزہ نہ رکھنے پر اُسے ہلکی سی جھاڑ پلائی اور ناشتہ اس کے آگے رکھ دیا۔ الگ ناشتہ کرتے ہوئے ثانی کو عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ سب کے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کیا کرتا تھا۔ اس نے جلدی جلدی ناشتے سے جان چھڑائی اور تیار ہو کر کالج چلا گیا۔

ثانی کا خیال تھا کہ کالج میں وہ آسانی سے کھا پی سکے گا۔ مگر وہاں بھی کچھ ایسا ماحول تھا کہ اُسے کولر سے پانی بھی چھُپ کر پینا پڑا۔ اور کھانے کا تو کوئی سلسلہ ہی نہیں تھا۔ اس لیے کالج سے چھٹی ہوتے ہی وہ سیدھا اس جگہ پہنچا، جہاں ایک خوانچے والا بیٹھتا تھا اور بچّوں کو چھولے فروخت کرتا تھا۔ ثانی نے اُس سے چھوٹے بھائی کا بہانہ کر کے چھولے خریدے، مگر انھیں کھانا اُسے نصیب ہی نہ ہو سکا

بھوک سے زیادہ ثانی کو پیاس ستا رہی تھی۔ لیکن راستے میں سبیل دیکھ کر بھی وہ پانی پینے کی ہمّت نہ کر سکا۔ ہوٹل تو سارے بند تھے، اس لیے کھانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ایک بیکری کھلی دیکھ کر وہ اندر چلا گیا۔ اندر کافی سارے گاہک کھانے پینے کی مختلف اشیا خریدنے میں مگن تھے۔ وہ ایک طرف خاموشی سے کھڑا دیکھتا رہا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ دکاندار سے کس طرح بات کرے؟ اس کے دل میں خیال آ رہا تھا کہ جب وہ دکاندار سے پیٹیز مانگے گا تو وہ اُسے ڈانٹ دے گا کہ اتنے بڑے ہو کر روزہ نہیں رکھتے۔ روزے میں پیٹیز کھاتے ہو۔ یہ خیال آتے ہی اُس نے واپس جانے کے لیے قدم بڑھائے۔ عین اُسی وقت دکاندار نے اُسے آواز دی اور پوچھا کہ کیا چاہیئے؟ اُس نے بڑی مشکل سے جواب دیا اور کچھ پیٹیز خرید کر تیز تیز قدموں سے بس اسٹاپ کی طرف چل پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دوپہر کا کھانا تو گھر میں ملے گا نہیں، اس لیے باہر ہی سے کوئی بندوبست کر کے جانا چاہیے۔

بس میں وہ اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے مسافروں کو چور نظروں سے دیکھتا رہا۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے بس میں بیٹھا ہوا ہر شخص اُس کے ہاتھ میں پکڑے لفافے کو گھور رہا ہے اور لفافے سے آنے والی خوشبو اس کے ساتھ والے مسافر کو بتا رہی ہے کہ یہ لڑکا روزے سے نہیں ہے اور چوری چوری کھانے کے لیے پیٹیز لے جا رہا ہے۔ یہ خیال آتے ہی ثانی نے لفافہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔ مگر پھر بھی بھینی بھینی خوشبو اُس کے نتھنوں میں آتی رہی۔ ثانی نے پھر چور نظروں سے اپنے ساتھ والے مسافر کو دیکھا۔ وہ باہر کی طرف متوجہ تھا۔ ثانی کچھ مطمئن ہو گیا۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر عرق آلود پیشانی صاف کی اور رومال لفافے پر پھیلا لیا۔ جیسے لفافہ لوگوں کی نظروں سے چھپانا چاہتا ہو۔

اپنے اسٹاپ پر اُتر کر ثانی گھر کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ کبوتر کی طرح لوگوں سے نظریں چُرا کر جا رہا تھا۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے ابھی کوئی آگے بڑھے گا اور اس کے ہاتھ میں موجود لفافے پر ہاتھ مار کر کہے گا، ہوں! تو تمھارا روزہ نہیں ہے۔ پیٹیز چھپا کے لے جا رہے ہو۔ وہ جلد از جلد گھر پہنچ جانا چاہتا تھا اور اُسے غصّہ آ رہا تھا کہ آج راستہ اتنا طویل کیوں ہو گیا ہے۔ وہ جب اپنی گلی میں داخل ہوا تو سامنے سے رُوفی کو آتے دیکھ کر چور سا بن گیا اور گردن کو شانوں میں دبا کر نیچے دیکھتا ہوا تیز تیز آگے بڑھنے لگا۔ مگر رُوفی نے اس کی اس بے نیازی کے باوجود اس کے کندھے پر ہاتھ مارا اور زبردستی اس سے ہاتھ ملا کر باتیں کرنے لگا۔ ثانی ہُوں، ہاں کرتا رہا اور چور نظروں سے مسلسل لفافے کی طرف بھی دیکھتا رہا کہ روفی اُسے دیکھ تو نہیں رہا؟ روفی نے بڑے فخر سے بتایا کہ اُس کا روزہ ہے اور اُس سے پوچھا کہ تمھارا روزہ ہے؟ ثانی نے اثبات میں سر ہلایا اور اُس سے جان چھڑا کر گھر کی طرف بھاگا۔

گھر پہنچ کر ثانی نے اطمینان کی سانس لی۔ مگر آج اس کے استقبال کے لیے کوئی موجود نہیں تھا۔ اس سے پہلے وہ آتا تھا تو امّی سامنے تخت پر بیٹھی کسی نہ کسی کام میں مصروف نظر آتیں۔ آپی باورچی خانے میں گھُسی دوپہر کا کھانا تیار کر رہی ہوتیں۔ نوین صحن میں کھیل رہی ہوتی تھی اور اُسے آتے دیکھ کر "بھائی جان آگئے" کا نعرہ لگا کے اس کی طرف لپکتی تھی۔ وہ جیب سے ٹافی یا گولی نکال کے اُسے تھما دیتا تھا اور امّی کو سلام کرتا، آپی کو منہ چڑاتا اپنے کمرے میں چلا جاتا تھا۔ مگر آج تو بالکل خاموشی تھی۔ اس کا ہاتھ پتلون کی جیب میں رینگ گیا۔ اور انگلیاں جیب میں پڑی ٹافی کو محسوس کرنے لگیں۔ وہ سر جھکا کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ پیٹیز تپائی پر رکھے اور امی کے کمرے میں گیا۔ وہ سو رہی تھیں۔ نوین بھی ان ہی کے ساتھ دراز تھی۔ آپی کے کمرے میں جھانکا تو وہ نماز پڑھتی نظر آئیں۔ یہ سب دیکھ کر ثانی اپنے آپ کو اجنبی

محسوس کر رہا تھا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا، جیسے اُس کا کچھ کھو گیا ہے۔ کسی چیز کی کمی ہو گئی ہے۔ مگر کس چیز کی؟ یہ وہ نہ سمجھ سکا!

ثانی کا ارادہ تو یہ تھا کہ گھر جاتے ہی وہ پیٹیز پر ٹوٹ پڑے گا۔ اور پانی کا ایک پورا جگ خالی کر دے گا۔ مگر اب اُسے یہ سب یاد ہی نہیں رہا تھا۔ اُس نے سُست قدموں سے غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا اور فریج سے پانی کی بوتل نکال کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ پیٹیز پلیٹ میں نکال کر وہ اُن میں سے ایک اُٹھا کے کھانے لگا۔ کچھ دیر بعد اُس نے آپی کو آتے دیکھا۔ آپی نے اندر آ کر اُسے یہ اطلاع دینا چاہی کہ روزہ ہونے کی وجہ سے اُسے دوپہر کا کھانا نہیں مل سکتا۔ مگر پھر اُسے پیٹیز کھاتے دیکھ کر چُپ ہو گئیں۔ اور خاموشی سے لوٹ گئیں۔ ثانی کو شدید ندامت کا احساس ہوا۔ اس کے کانوں کی لَویں جلنے لگیں۔ اُس نے اَدھ کھایا پیٹیز پلیٹ میں رکھا اور گلاس میں موجود پانی تیزی سے پی کر بوتل فریج میں رکھ دی اور پلیٹ باورچی خانے میں۔ اپنے کمرے میں آ کر اُس نے جُوتے اُتارے اور بستر پر دراز ہو گیا۔ وہ دو پیٹیز کھا چکا تھا، مگر اس کے باوجود اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے اُس نے کچھ کھایا ہی نہیں...!

اجنبیت کے احساس سے دوچار وہ دیر تک سوچوں میں گھِرا رہا۔ بالآخر اُس کی آنکھ لگ گئی۔ عصر کے قریب وہ اُٹھ کر باہر آیا۔ تو اُس کی نظر باورچی خانے کی طرف اُٹھ گئی۔ وہاں اُسے امی اور آپی نظر آئیں۔ امّی کچھ پکا رہی تھیں اور آپی پکوریاں بنا رہی تھیں۔ نوین بھی اُن کے قریب بیٹھی ہاتھ بٹا رہی تھی۔ تینوں کے چہروں پہ ایک عجیب خوشی کا عالم تھا۔ ثانی تیزی سے غسل خانے میں چلا گیا۔ جب وہ باہر آیا تو امّی نے آواز دے کر بُلایا اور اُس سے سالن میں نمک چکھنے کو کہا۔ مگر وہ خجل ہو کر تیزی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اُس سے زیادہ دیر گھر میں نہیں رہا گیا۔ اُس نے کپڑے تبدیل کیے اور باہر آ گیا۔ امّی نے آواز دے کر پوچھا، کہاں جا رہے ہو؟ تو وہ کچھ دیر میں آنے کا کہہ کر تیزی سے نکلتا چلا گیا۔

باہر گلی میں کچھ لڑکے بیٹھے تھے۔ مگر وہ خلافِ معمول انھیں نظر انداز کر کے آگے بڑھنے لگا۔ ان میں سے ایک نے اُسے آواز دی تو وہ رُک گیا۔ انھوں نے اُسے پاس بُلایا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اُن کے پاس چلا گیا۔ باتوں باتوں میں پتہ چلا کہ وہ سب روزے سے ہیں۔ ثانی سے جب پوچھا گیا تو وہ گڑبڑا گیا کہ کیا بولے۔ اُسے جھوٹ بولنے کی عادت نہیں تھی، اس لیے اُسے گول مول جواب دے کر موضوع بدل دیا۔ وہ جب تک اُن کے پاس بیٹھا رہا، عجیب سے احساسات کا شکار رہا۔ وہ اپنے آپ کو اُن سے کمتر اور چھوٹا محسوس کر رہا تھا۔ وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے، مگر ثانی کو یوں لگا، جیسے وہ سب اُس پر ہنس رہے ہوں۔

قہقہوں کی آوازیں جب اُس کی سماعت پر ہتھوڑے کی طرح پڑنے لگیں تو وہ اُٹھ گیا اور تیزی سے جانے لگا۔ وہ لوگ اُسے آوازیں دیتے ہی رہ گئے۔

ثانی بے مقصد انداز میں اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ پھر قریبی پارک میں چلا گیا۔ ایک کونے والی بنچ پر بیٹھ کر وہ کھیلتے ہوئے بچوں کو دیکھنے لگا۔ کچھ دیر میں ایک چھوٹا سا لڑکا ایک آدمی کی اُنگلی پکڑے پارک میں داخل ہوا۔ اس لڑکے کے گلے میں ہار پڑے ہوئے تھے۔ جب ثانی کو معلوم ہوا کہ اس لڑکے کا پہلا روزہ ہے تو اُسے یوں لگا، جیسے اس کا قد یکدم چھوٹا ہو کر بونے جتنا ہو گیا ہے۔ اُس کا دل پارک اور اُس کے ماحول سے اچانک ہی اُچاٹ ہو گیا۔ وہ تیز تیز چلتا ہُوا پارک سے نکل گیا۔ باہر آکر وہ کچھ دیر سڑک کے کنارے کنارے چلتا رہا، مگر جلد ہی بوریت اُس پر غالب آگئی اور وہ گھر کی طرف قدم بڑھانے لگا۔

گلی خالی تھی وہ مطمئن ہو کر سیدھا گھر میں چلا گیا۔ گھر میں قدم رکھتے ہی امّی نے سوال کیا، کہاں چلے گئے تھے؟ وہ جواب میں خاموش ہی رہا۔ امی نے کہا کہ تمھارا روزہ نہیں ہے۔ نکڑ کی دکان سے جیلی کا پوڈر لے آؤ۔ نوین نے روزہ رکھا ہے، اس کے لیے جیلی بنانی ہے۔ یہ سُن کر ثانی ایک بار پھر اپنے آپ کو بونا محسوس کرنے لگا۔ اس نے چور نظروں سے باورچی خانے میں آپی کے برابر بیٹھی نوین کی طرف دیکھا۔ وہ مُسکراتی ہوئی اس کی طرف شرارت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ثانی نے امّی سے پیسے لیے اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ جیلی کا پیکٹ لا کے اُس نے امی کو تھمایا اور اپنے کمرے میں جا کر تکیے میں منہ چھُپا کے لیٹ گیا۔

شام کو مغرب کی اذان سے کچھ پہلے نوین اُسے اُٹھانے آئی تو اُس نے منع کر دیا۔ کچھ دیر بعد امّی آئیں اور اُسے زبردستی اُٹھا کر لے گئیں۔ سب لوگ کھانے کے کمرے میں فرش پر چاندنی بچھائے بیٹھے تھے۔ دسترخوان پر طرح طرح کی چیزیں چُنی ہوئی تھیں۔ وہ خاموشی سے آپی کے برابر بیٹھ گیا کہ دوسرے لوگوں کی نظروں میں کم سے کم آئے۔ کچھ دیر میں اذان ہو گئی۔ سب لوگوں نے روزہ کھولا، مگر ثانی بدستور دونوں ہاتھ گود میں رکھے بیٹھا رہا۔ یہ دیکھ کر آپی نے اُس کی طرف شربت بڑھایا اور کھجوریاں اور دوسری چیزیں اس کے قریب کر کے کھانے کو کہا۔ مگر اُسے یوں محسوس ہوا، جیسے آپی اُس پر طنز کر رہی ہوں۔ ابّا جان نے بھی کھانے کے لیے کہا، مگر وہ شرمندہ شرمندہ سا رہا۔ اور خلافِ معمول اُس نے بہت کم کھایا۔

روزہ کھول کر ابّا جان اور بھائی جان نماز پڑھنے چلے گئے۔ وہ بھی اُٹھا اور اُن کے پیچھے نکل گیا۔

نماز اور کھانے سے فراغت پا کر سب لوگ ڈرائنگ روم میں آبیٹھے۔ امی نے سب کے لیے پلیٹوں میں جیلی نکالی اور سارے لوگ جیلی پر تبصرہ کرتے ہوئے اُس کا مزا لینے لگے۔ ثانی خاموشی سے اُن کی باتیں سُنتا رہا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ کل روزہ رکھے یا نہ رکھے ۔ کیونکہ دن بھر وہ جن مشکلات اور مسائل سے دوچار رہا تھا، انھوں نے اُسے ذہنی طور پر مضمحل کر دیا تھا۔

یکایک اُس کے کان کھڑے ہوگئے ۔ اب گھر والے کل کے روزے کی بات کر رہے تھے ۔ نوین کہہ رہی تھی کہ وہ کل بھی روزہ رکھے گی اور امی سے ضد کر رہی تھی کہ وہ اُسے سحری کو ضرور اُٹھائیں ۔ جب امی نے ثانی سے پوچھا کہ کیا اُسے سحری کو اُٹھایا جائے تو اُس کے جواب دینے سے پہلے ہی آپی بول اُٹھیں کہ ان کو سحری میں اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے ۔ یہ صاحب روزہ تو رکھیں گے نہیں ۔ پھر کیا فائدہ ان کی نیند خراب کرنے کا، اس بات کا ثانی نے کوئی جواب نہ دیا اور جیلی کھانے میں شدّت سے مصروف ہوگیا۔

صبح کو حسبِ معمول آپی اُس کے کمرے میں آئیں اور اُس کے منہ سے چادر اُٹھا کر اُسے ہلاتے ہوئے بولیں" میں کالج جا رہی ہوں ۔ تمھارا ناشتہ نعمت خانے میں رکھا ہے ۔"

آپی کی آواز سُن کر ثانی نے پوری طرح آنکھیں کھول دیں اور پٹ پٹ آنکھیں جھپکتے ہوئے بڑی آہستگی سے بولا " میں روزے سے ہوں ۔" یہ کہہ کر اُس نے تیزی سے دوبارہ چادر اوڑھ لی ۔

آنکھ مچولی کا ایک اور نیا مُفید سلسلہ

مجھے ابّو سے شکایت ہے

- ابّو مجھے جیب خرچ نہیں دیتے
- وہ مجھے کھیلتا دیکھ کر ڈانٹتے ہیں ۔
- وہ دوسرے بچّوں سے پیار کرتے ہیں اور مجھے نظر انداز کر دیتے ہیں

یہ اور اس طرح کی دوسری شکایتیں کسی بچّے کو بھی — اپنے ابّو سے ہو سکتی ہیں۔
کیا آپ کو بھی اپنے ابّو سے کوئی شکایت ہے ؟ اگر ہے تو ہمیں لکھ بھیجئے :

آپ کی شکایت معقول اور مختصر ہونی چاہیے

اگر آپ اپنا نام شائع نہ کرانا چاہیں تو ہمیں اس سے بھی مطلع کیجئے۔

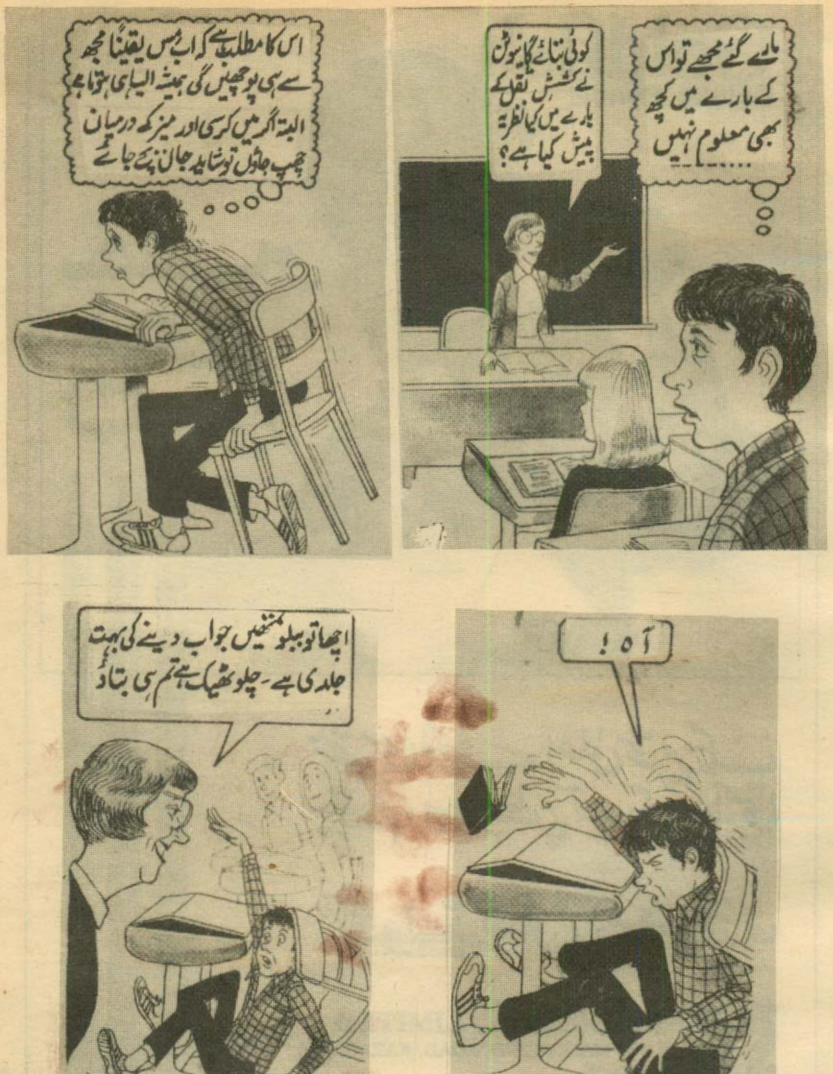
مارے گئے مجھے تو اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں .....
کوئی بتائے گا نیوٹن نے کشش ثقل کے بارے میں کیا نظریہ پیش کیا ہے؟
اس کا مطلب ہے کہ اب بس یقیناً مجھ سے ہی پوچھیں گی ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے البتہ اگر میں کرسی اور میز کے درمیان چھپ جاؤں تو شاید جان بچ جائے
آہ!
CRASH
اچھا تو بیلو تمھیں جواب دینے کی بہت جلدی ہے - چلو ٹھیک ہے تم ہی بتاؤ
David Berg

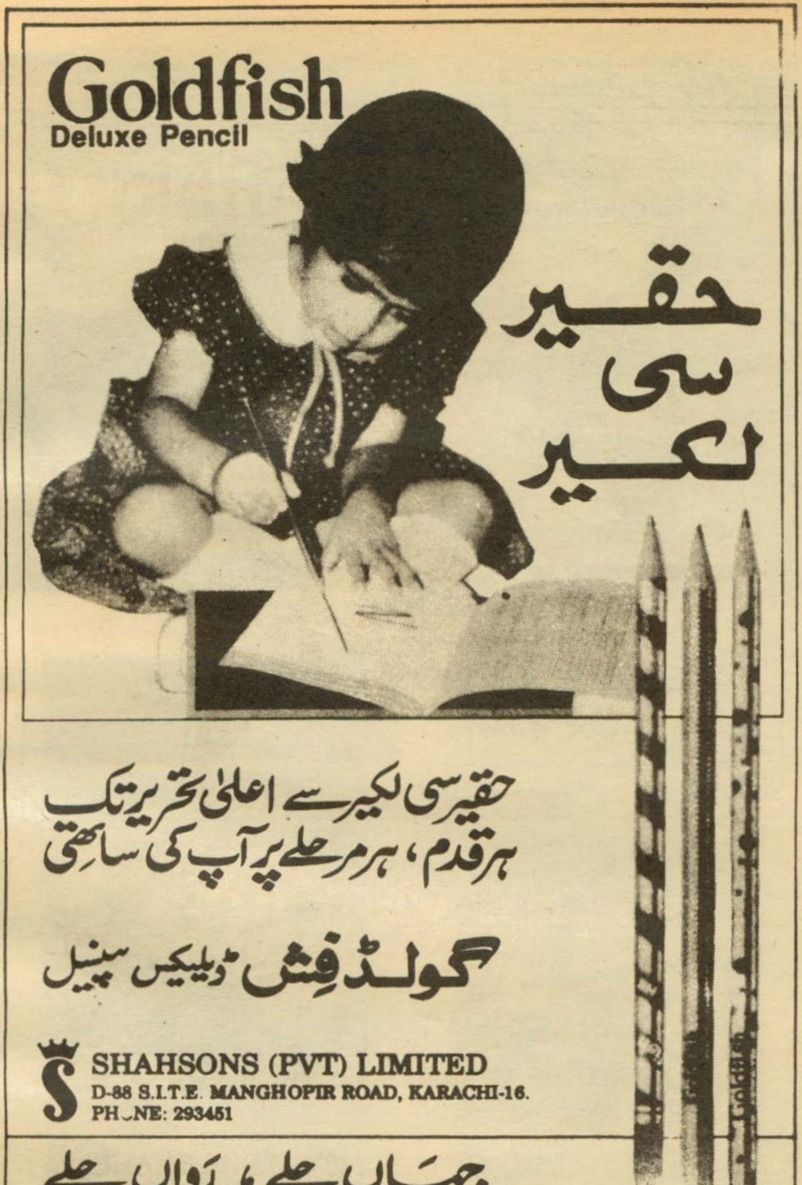
Goldfish
Deluxe Pencil
حقیر سی لکیر
حقیر سی لکیر سے اعلیٰ تحریر تک
ہر قدم، ہر مرحلے پر آپ کی ساتھی
گولڈ فِش ڈیلکس پنسل
SHAHSONS (PVT) LIMITED
D-88 S.I.T.E. MANGHOPIR ROAD, KARACHI-16.
PHONE: 293451
جہاں چلے، رواں چلے
BOND

سیّد خورشید عالم

بو کاٹا!

نیلے آسمان پر مختلف وضع اور مختلف رنگوں کی پتنگیں کیا اُڑ رہی ہیں سمجھیے کہ پتنگوں کی بہار آگئی ہے۔ چھتوں اور گلیوں میں کھڑے نوجوانوں اور بچّوں کے چہرے خوشی سے دمک رہے ہیں۔ کبھی پیچ کھینچی جا رہی ہے تو کبھی اُسے ڈھیل دی جا رہی ہے۔ اور لیجئے ایک پتنگ بالآخر کٹ ہی گئی اور ما "بو کاٹا" کے نعروں سے گونج اُٹھا۔ اس کٹی پتنگ کو حاصل کرنے کے لیے گلیوں اور سڑکوں پر لڑکے نکل آ سب کی کوشش یہ ہے کہ وہ پتنگ پکڑ لے۔ پتنگ کچھ اور نیچے آئی لڑکے پھر دوڑے اچانک سڑک پر تیزی سے بریک لگنے کی آواز سنائی دی "ارے مار دیا" کی مختلف آوازیں سنائی دیں۔ پتا چلا کہ ایک لڑکا پتنگ کے تعاقب میں گاڑی کے نیچے آگیا۔

یوں تو پتنگ بازی دنیا کے ہر ملک اور ہر زمانے میں رائج رہی ہے مگر جاپانی اس فن میں سب سے آگے ہیں۔ انہوں نے ہی سب سے پہلے اس فن کو فروغ دیا۔ برِ صغیر جنوبی ایشیاء میں بھی پتنگ بازی صدیوں

سے ایک محبوب مشغلہ رہا ہے۔ مگر اس دور میں نہ تو سڑکوں پر اس مشغلے کو پورا کیا جاتا تھا اور نہ بازاروں میں، بلکہ آبادی سے دور ہرے بھرے میدانوں میں لڑکے بالے اپنا یہ شوق پورا کرتے تھے اور آج بھی سندھ اور پنجاب کے گاؤں اور کھلے میدانوں میں یہ شوق پورا کیا جاتا ہے۔ اس میں نہ تو پتنگ کے حصول میں بھاگتے ہوئے گاڑی سے ٹکرانے کا ڈر ہوتا ہے اور نہ کھلے مین ہولوں میں گرنے کا اندیشہ۔

مگر شہروں میں پتنگ بازی ایک خطرناک مشغلہ بنتی جا رہی ہے--- جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے گزشتہ دنوں اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ لاہور میں بسنت کے موقع پر تین نوجوان اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور سینکڑوں لوگ زخمی ہوگئے۔

ذرا اپنے تصور کی نگاہ سے شالیمار کالونی کے اس نوجوان کو دیکھئے جو پتنگ لُوٹنے کی کوشش میں ایک کار کی زد میں آکر کُچلا گیا۔ اسی طرح ایک اور نوجوان لوہے کی لمبی سی سلاخ لیے پتنگ لوٹنے کے لیے بھاگ رہا ہے۔ اسی دوران سلاخ بجلی کے تاروں سے چھوگئی اور ہزاروں وولٹ بجلی چشم زدن میں اس کی زندگی کا چراغ بُجھا گئی ایک اور نوجوان پتنگ بازی کے دوران کی جانے والی فائرنگ کی زد میں آگیا اور چھلنی ہوگیا۔

جو لوگ زخمی ہوئے ان میں کچھ تو مکانوں کی چھتوں سے گر کر اور کچھ سڑکوں اور گلیوں میں بھاگتے ہوئے گاڑیوں اور دوسری چیزوں سے ٹکرا کر زخمی ہوئے۔

شہروں میں نہ تو اتنی کھلی جگہ ہوتی ہے جہاں یہ شوق پُورا کیا جائے لہٰذا شوقین حضرات مکانوں کی چھتوں اور سڑکوں پر اپنا شوق پورا کرتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر کبھی چھتوں سے گر کر یا کسی گاڑی کی ٹکر سے یا تو عمر بھر کے لیے معذوری کا روگ گلے لگا لیتے ہیں یا پھر موت سے جا ملتے ہیں۔ اس خطرناک رجحان کو روکنے کے لیے انتظامیہ کو چاہیئے کہ وہ کوئی ایسا مؤثر قانون بنا دے۔ جس کی رُو سے چھتوں، سڑکوں اور بازاروں میں پتنگ بازی قابلِ سزا جرم بن جائے۔ اور صرف شہر سے باہر یا شہر میں موجود بڑے میدانوں میں اس شوق کو پورا کیا جا سکے۔ مختلف فلاحی ادارے بھی اس سلسلے میں اپنا کردار بھرپور طریقے سے ادا کریں تاکہ اس سنگین مسئلے کو حل کیا جا سکے۔

ذرا سوچیں کہ ہاتھ میں سلاخ پکڑے پتنگ لوٹنے کی کوشش کرنے والا لڑکا کس اذیت سے گزرا ہوگا۔ جب اُس کی سلاخ بجلی کی تاروں سے ٹکرائی ہوگی۔ اس لڑکے کا بھی تصور کریں جو آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے سامنے سے آتی ہوئی تیز رفتار کار سے کچلا گیا۔

مشاغل تو اور بھی ہیں جو پتنگ بازی سے کہیں زیادہ فائدہ مند ہیں ۔ یہ مشاغل اور سرگرمیاں ایک طرف ہماری صحت اور تندرستی کو برقرار رکھنے میں مدد دیتی ہیں تو دوسری طرف ہمارے ذہنی نشوونما اور علم میں خاطرخواہ اضافہ بھی کرتی ہیں ۔ ٹیبل ٹینس، ہاکی، فٹ بال ، بیڈمنٹن ، کرکٹ، والی بال، ٹینس ایک طرف ہمیں جسمانی طور پر چاق و چوبند رکھتے ہیں تو دوسری طرف کتب بینی جیسا انتہائی مفید مشغلہ ہمارے ذہن کو وسیع کرتا ہے اور ہماری فکر کو پروان چڑھاتا ہے ۔ ہمیں چاہیئے کہ ان مفید مشاغل کو اپنایا جائے اس لیے کہ ان میں کوئی پہلو ایسا نہیں جو ہمیں زندگی کی مرحلے سے دُور لے جائے بلکہ یہ مشاغل ہمیں ہمارے اپنوں کے درمیان رکھتے ہیں ۔

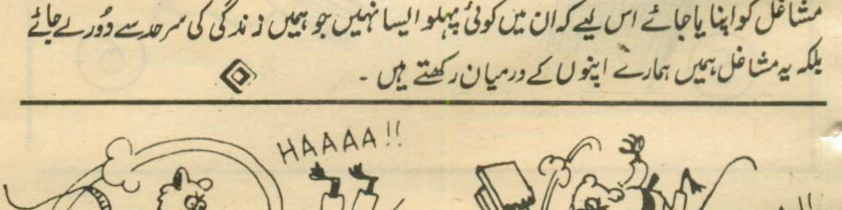

پہچانیے

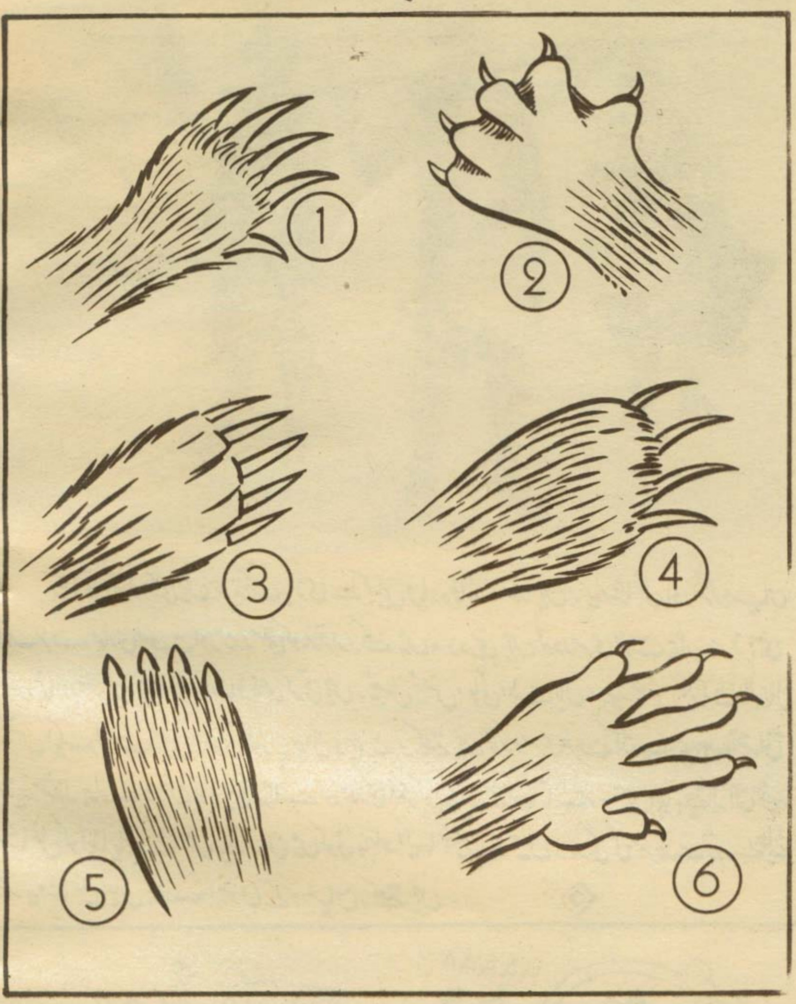

یہ پنجے کن جانوروں کے ہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں ؟

جواب اسی شمارے میں تلاش کیجیے۔

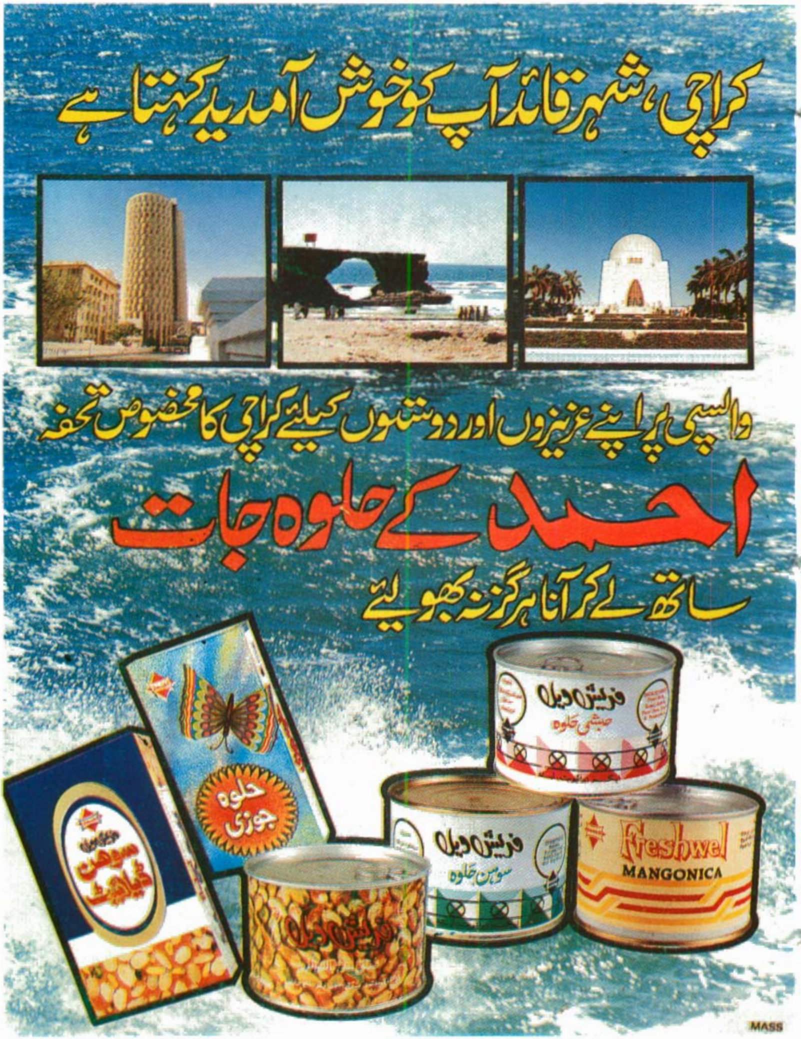

کراچی، شہر قائد آپ کو خوش آمدید کہتا ہے
واپسی پر اپنے عزیزوں اور دوستوں کیلئے کراچی کا مخصوص تحفہ
احمد کے حلوہ جات
ساتھ لے کر آنا ہرگز نہ بھولیئے
فریش دیل
حبشی حلوہ
حلوہ جوزی
سوہن حلوہ
Freshwel
MANGONICA
MASS

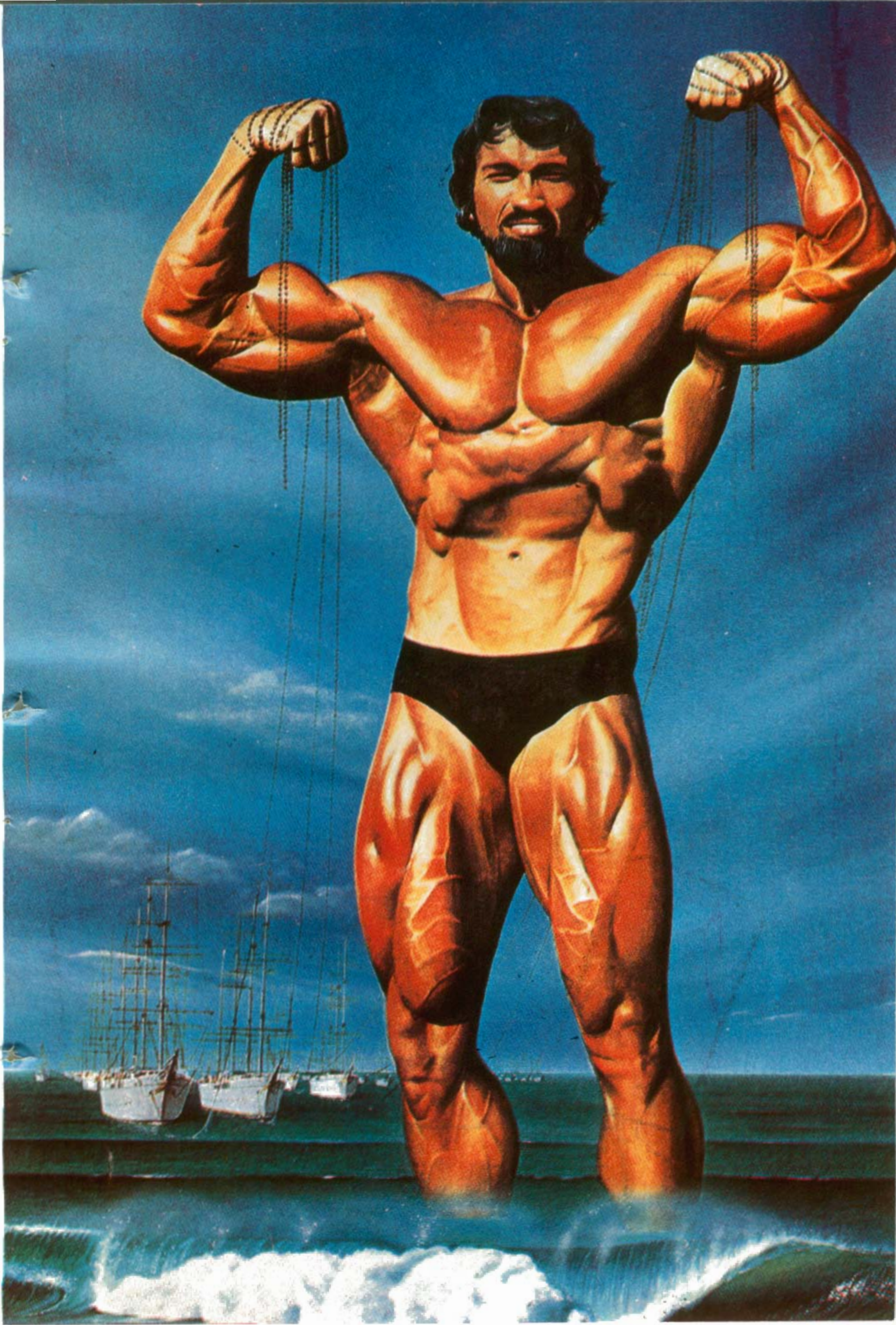

طاہر مسعود

ٹارزن کراچی میں

ٹارزن کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو سمندر کے کنارے پایا۔ بہت سے لڑکے لڑکیاں اس کے چاروں طرف جمع تھے اور حیرت و خوف سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ اس کے مضبوط گٹھے ہوئے جسم کو اس کے بازوؤں کی اُبھری ہوئی مچھلیوں کو، اس کے چوڑے چکلے سینے کو اور سب سے بڑھ کر اس کے بے پناہ اونچے قد کو دیکھ رہے تھے اور چونکہ وہ اس غیر معمولی گرانڈیل انسان کو نہیں جانتے تھے اس لیے سہمے ہوئے تھے اور اس کے قریب آتے ہوئے بھی ڈر رہے تھے۔ ٹارزن نے مارے حیرت کے پلکیں جھپکائیں۔ یہ سب کچھ اس کے لیے ناقابلِ فہم تھا۔ یہ ساحل، یہ لوگ، یہ ماحول سب اس کے لیے اجنبی تھے۔ وہ یہاں تک کیسے پہنچا؟ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی لیکن اُسے بالکل یاد نہیں آیا۔ وہ گھنے جنگل کہاں چلے گئے، جہاں اس کی زندگی گزری تھی۔ وہ ماحول اچانک کیسے بدل گیا جس میں شیر، ہاتھی، بھیڑیے، گینڈے، اژدھے، سانپ، سوّر، سانڈ زرافے، ہرنیاں، نیل گائے وغیرہ رہتے تھے ٹارزن ان درندوں اور جانوروں کا عادی تھا جیسے مچھلیاں پانی کی عادی ہوتی ہیں۔ وہ درختوں کی شاخوں اور جٹاؤں سے لٹک کر سفر کیا کرتا تھا۔ ایک درخت سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے اور یوں وہ جنگل کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نہایت برق رفتاری سے پہنچ جاتا تھا، لیکن اب وہ کہاں ہے؟ یہ لڑکے لڑکیاں کون ہیں؟ اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو داڑھی کے بال چبھنے لگے۔ شاید وہ بہت دنوں تک سوتا رہا ہے۔ اس نے گردن کو جنبش دی۔ مجمع ڈر کے پیچھے ہٹنے لگا۔ ٹارزن نے محسوس کیا کہ وہ سب دیکھنے میں تو اسی جیسے تھے لیکن ان کے قد چھوٹے اور جسم کمزور تھے۔ ان کے چہروں پر وہ رونق بھی نہیں تھی جو مکمل تازگی اور صحت مندی کی پہچان ہوتی ہے۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ایک باہمت نوجوان آگے بڑھا اس نے پوچھا" تم کون ہو؟"
ٹارزن نے سوال سُنا اور اُٹھ بیٹھا۔ وہ بیٹھے ہوئے بھی کسی پہاڑی ٹیلے کی طرح اونچا دکھائی دے رہا تھا۔ پھر وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔
" اُف میرے خدا! مارے حیرت کے کئی لڑکیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ ایسا دیو ہیکل انسان انھوں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ سب کے سب اس کے آگے بونے لگ رہے تھے۔
" ہاں تو تم نے بتایا نہیں" نوجوان نے مضبوط لہجے میں اپنا سوال دہرایا۔
ٹارزن نے زوردار جمائی لی اور نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے آہستگی سے بولا" میں ٹارزن ہوں"
" کیا کہا؟ تم ٹارزن ہو؟" لڑکے لڑکیوں میں کھلبلی سی مچ گئی۔ ان کے چہروں پہ بیک وقت تعجب اور خوشی کے آثار تھے وہ سب ساحل پہ پکنک منانے آئے ہوئے تھے۔
" پھر تو تم ہمارے دوست ہو۔ ہم تم سے خوب اچھی طرح واقف ہیں" جینز پہنے ہوئے ایک نوجوان نے گرمجوشی سے کہا۔
" ہاں اور کیا" نیلی آنکھوں والی لڑکی بولی" ہم طویل عرصہ سے تمھارے کارنامے پڑھ رہے ہیں تم عظیم طاقتور انسان ہو"
" شکریہ" ٹارزن نے انکساری سے سر جُھکا دیا۔
" تو تم واقعی انسان ہو" اسی لڑکی نے کہا" ہم تو سمجھتے تھے کہ تم محض فرضی اور خیالی کردار ہو"
" کیا میں تمھیں سچ مچ کا انسان دکھائی نہیں دے رہا" ٹارزن نے مزاحیہ لہجے میں کہا اور سب ہنسنے لگے" ہم میں سے کچھ لوگ تمھیں مسٹر کراچی سمجھ رہے تھے" اس جملے پر ایک اور قہقہہ پڑا۔
ٹارزن ان سے دوستانہ ماحول میں باتیں تو کر رہا تھا لیکن ساتھ ہی اس کے لیے یہ سب کچھ معمے سے کم نہ تھا۔ وہ پریشان قطعی نہیں تھا کیونکہ اس کی زندگی پہلے ہی حیرت انگیز واقعات سے بھری پڑی تھی۔
" ٹارزن! کیا میں آپ کو چھو کر دیکھ سکتا ہوں" ایک بچے نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
" کیوں نہیں" ٹارزن نے خلوص سے کہا، اور وہ لڑکا جونہی ٹارزن کے جسم کو چھونے کے لیے آگے بڑھا، ٹارزن نے اُسے اپنے آہنی ہاتھوں پہ اُٹھا لیا۔ مجمع میں کھلبلی مچ گئی اور وہ لڑکا ۔۔۔ خدا کی پناہ اس نے تو رو رو کر بُرا حال کر لیا۔ ٹارزن یہ دیکھ کر ہنسا اور اس نے آہستگی سے لڑکے کو زمین پہ اتار دیا۔

لڑکا بھاگ کے مجمع میں گھس گیا۔ تب ٹارزن نے کہا

"آپ لوگ خوفزدہ نہ ہوں، میں آپ کا دوست ہوں اور میں جسے دوست کہتا ہوں اُسے دوست ہی سمجھتا ہوں"۔ ٹارزن نے یہ بات اپنائیت سے کہی۔

"ٹارزن ہم تمھارے کارنامے سننا چاہتے ہیں"۔ کسی نے کہا۔

"ہاں آج کے اخبار میں ہم نے تمھاری باتصویر کہانی پڑھی ہے۔ اس کی بقیہ قسطیں تم زبانی سنادو"۔ ایک نوعمر لڑکے نے تائید کی۔

ٹارزن کو اب بھُوک لگ رہی تھی اور وہ متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ شاید اُسے کسی پھل دار درخت کی تلاش تھی۔

"ٹارزن! کیا تم ہمارے ساتھ لنچ کرنا پسند کروگے؟" نیلی آنکھوں والی لڑکی نے پوچھا۔ "میری امّی بہت عُمدہ سینڈوچ بناتی ہیں"۔

"میں نے کبھی سینڈوچ نہیں کھائے، لیکن مجھے زوروں کی بھوک لگ رہی ہے"۔ ٹارزن نے کہا۔

"آؤ پھر چلتے ہیں، لنچ کا وقت ہو گیا ہے"۔ سفید بالوں والے شخص نے کہا جو ان کا پروفیسر لگ رہا تھا۔ اور سب ساحل پر دُور تک بنے ہوئے ہٹس کی طرف چل دیے۔

جب وہ ساحل کی ٹھنڈی ریت پر چل رہے تھے تو ایک لڑکی نے کہا: "ٹارزن! کیا آپ نے اخبار میں کبھی اپنی کارٹون کہانی پڑھی ہے؟"

"افسوس کہ مجھے اخبار پڑھنے کی کبھی مہلت ہی نہیں ملی"۔ ٹارزن نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا: "پیدا ہونے کے بعد سے تقریباً روزانہ ہی مجھے کوئی نہ کوئی معرکہ درپیش رہا۔ کبھی کسی آدم خور شیر سے مقابلہ ہے تو کبھی کسی بدمست ہاتھی سے لڑائی ہے۔ کبھی اژدہے کا سامنا ہے تو کبھی بھیڑیوں کے نرغے سے نکلنا ہے۔ ظاہر ہے ان حالات میں سر کھجانے کی فرصت مشکل سے ملتی تھی اخبار پڑھنا تو دُور کی بات ہے"۔

"ٹارزن! اخبار میں آپ کی کلین شیو تصویریں چھپتی ہیں جب کہ آپ کے چہرے پر تو داڑھی ہے"!

"جی ہاں سانڈوں سے خونریز جنگ کے دوران میرا شیونگ بکس گم ہو گیا۔ اس لیے کئی مہینے سے میں شیو نہیں بنا سکا"۔ ٹارزن نے وضاحت کی۔

"کیا جنگل میں ڈیپارٹمنٹل اسٹور ہوتے ہیں ٹارزن؟" نوعمر لڑکے نے پوچھا۔ "کیونکہ شیونگ بکس اور

شیونگ کریم وغیرہ تو ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں ہی ملتے ہیں؟"

"چند سال قبل کی بات ہے۔" ٹارزن نے دُور افق پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا۔ "ایک امریکی شکاری کسی آدم خور شیر کی تلاش میں آیا تھا۔ شیر تو وہ کیا مارتا ایک دن بیٹھا شیو بنا رہا تھا کہ پیچھے سے دبے قدموں شیر آیا اور اُسے سالم نگل گیا۔ ایک ویک اینڈ پہ میں نے اس شیر کا قلع قمع کیا۔ اور اس کا پیٹ چیر کر شیونگ بکس نکالا اور یوں یہ شیونگ بکس کافی دنوں تک میرے استعمال میں رہا۔"

"ٹارزن! کیا آپ ہمارے ساتھ گروپ فوٹو بنوانا پسند کریں گے؟" ایک لڑکے نے تجویز پیش کی۔ ٹارزن خاموش رہا۔ پھر انھوں نے ٹارزن کے ساتھ ایک گروپ تصویر بنوائی۔ تصویر اترواتے ہوئے ٹارزن مُسکراتا رہا۔ وہ کیوں مُسکرا رہا تھا۔ یہ بات کسی کو معلوم نہ ہو سکی۔ ممکن ہے وہ کیمرے کی ایجاد پر مُسکرا رہا ہو۔

جب وہ ہٹ میں پہنچے تو دیر ہو چکی تھی۔ کھانے پینے کی چیزیں نکالی گئیں۔ سب بڑھ چڑھ کر ٹارزن کی خاطر تواضع کر رہے تھے، لیکن ان کی یہ مہمان نوازی خود ان کے حق میں سخت نقصان دہ ثابت ہوئی، اس لیے کہ ٹارزن دیکھتے ہی دیکھتے کھانے پینے کی ساری اشیاء چٹ کر گیا۔ اس نے پندرہ ٹھنڈی بوتلیں، بیس روٹیاں، سارا گوشت، قیمہ، کباب، سینڈوچز، آلو چھولے، دہی بڑے اس تیزی سے کھائے کہ سب منہ دیکھتے رہ گئے۔ اتنا کھانے کے بعد بھی وہ بھوکا ہی دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے ناریل کے جھنڈ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "کیا میں ناریل توڑ لاؤں؟"

"ٹارزن! ناریل کے یہ درخت سرکاری ملکیت ہیں۔" سفید بالوں والے پروفیسر نے سمجھایا۔" اور ہر درخت پر تختی لگی ہوئی ہے کہ "ناریل توڑنا منع ہے۔" "مجھے امید ہے کہ تم چوری کرنا پسند نہیں کرو گے۔"

"اگر کسی کو بھوک لگی ہو۔ اتنی شدید کہ وہ مر رہا ہو۔ کیا وہ پھر بھی ان درختوں سے ناریل نہیں توڑ سکتا؟" ٹارزن نے پوچھا۔

"قانون میں بھوکے کو چوری کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ کیا سمجھے؟" پروفیسر نے کہا۔

"جنگل میں تو ایسا قانون نہیں ہوتا۔" ٹارزن نے تشویش سے کہا۔

"جی ہاں۔ جنگل میں کوئی قانون نہیں ہوتا۔" پروفیسر نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"خیر یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔" نیلی آنکھوں والی لڑکی بولی: "ٹارزن! تم نے اپنے آئندہ منصوبوں کے بارے میں تو کچھ بتایا ہی نہیں۔"

"منصوبہ!" ٹارزن نے حیرت سے کہا" ٹارزن کبھی منصوبہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نہیں بناتا"

"لیکن جناب منصوبے جنگل میں نہیں شہر میں بنائے جاتے ہیں اور شاید آپ بھول رہے ہیں کہ اب آپ شہر میں ہیں" جینز والے لڑکے نے کہا۔ اس کے لہجے میں تلخی تھی کیونکہ ٹارزن اس کے حصّے کا کھانا بھی کھا گیا تھا۔

"دیکھا جائے گا" ٹارزن نے بے فکری سے کندھے اچکائے۔

"ٹارزن! تمھیں تھوڑی بہت تعلیم حاصل کرنی چاہیئے۔ یہ بہت ضروری ہے" پروفیسر کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ ۔ ۔

"میرا خیال ہے سر" ایک نوجوان کی آواز آئی "ٹارزن کو نئی روشنی اسکول میں داخلہ دلا دیا جائے"

"ہاں یہ اچھی تجویز ہے" دوسرے نوجوان نے تائید کی۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ پولیس کی ایک جیپ ہٹ کے قریب آ کر رُکی۔ جیپ میں سے ایک انسپکٹر کی قیادت میں چند سپاہی اُترے۔ انسپکٹر نے دُور ہی سے ٹارزن کو پہچان لیا۔ وہ تیر کی طرح سیدھا ٹارزن کے پاس پہنچا۔

"مسٹر ٹارزن! آپ کو گرفتار کیا جاتا ہے" انسپکٹر نے سرد لہجے میں کہا۔

ٹارزن پر کیا بیتی۔ آئندہ شمارے میں پڑھیے!

اَقوالِ زرّیں

- اگر روزی عقل سے حاصل کی جاتی تو دنیا کے تمام بے وقوف بھوکے مر جاتے (شیخ سعدی)
- دیو کی طرح طاقتور ہونا اچھی بات ہے، مگر دیو کی طرح طاقت استعمال کرنا ظلم ہے (شیکپیئر)
- بغیر عمل کے دُعا مانگنا ایسا ہے، جیسے بغیر کمان کے تیر (فردوسی)
- جو راستہ معلوم نہیں، اس پر سفر نہ کرو۔ (بقراط)
- جہنم کی آگ کو وہی آنسو بجھا سکتے ہیں جو وقتِ سحر ایک مومن کی آنکھ سے ٹپکیں۔ (خوشحال خان خٹک)

جواب

(۱) بجو (۲) اود بلاؤ (۳) چھچھوندر (۴) لومڑی (۵) خرگوش (۶) چوہا

ایک انوکھی تصویر

محسن احسان

باجی سے جب ہوئی لڑائی
بھیّا نے تصویر بنائی
شکل نیولے سے، ملتی تھی
ناک گلہری جیسی تھی
خالی خالی تھیں اندر سے
آنکھیں ملتی تھیں. بندر سے
پاؤں ہاتھی سے ملتے تھے
خرگوشوں سے کان کھڑے تھے
گیدڑ کی کچھ شان تھی اس میں
اُلّو کی پہچان تھی اس میں
بطخوں جیسی چال تھی اس کی
مینڈک جیسی کھال تھی اس کی
بلّی، بکری اور، ہرن کی!
تھوڑی تھوڑی شکل بنی تھی
یہ تھی اِک تصویر نرالی
سر پہ جوتا پاؤں میں تھالی

بھیّا نے تصویر دکھائی
باجی نے کی پھر نہ لڑائی

نگہت آرا چوہان

صبح کا بھولا

وہ کلاس روم میں داخل ہوا تو دس بج کر ستائیس منٹ ہوئے تھے۔ بہار کی خوش گوار ہوا کے جھونکے کھلی کھڑکیوں سے تازہ پھولوں کی خوشبو لئے آرہے تھے۔ اس نے ایک تیز نظر چاروں طرف ڈالی۔ تاریخ قدیم کی کلاس پورے اطمینان اور سکون سے جاری تھی۔ یہ مصروفیت کا گھنٹہ تھا اس لئے کسی نے اُس کی آمد کا نوٹس نہ لیا۔ وہ دوسری صف میں ایک خالی سیٹ پر جا بیٹھا۔ گھڑی میں پینتالیس منٹ پورے ہو چکے ... تو سب نے قلم روک دیئے اور کاپیاں بند کرنے لگے۔ اچانک سر شہزاد کی آواز نے سب کو چونکا دیا۔

"مجھے یہ اعلان کرتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ آج آپ کے درمیان ایک نئے ساتھی کا اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ راحت عبّاس ہیں جو دارالحکومت سے یہاں آئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کو ان سے مل کر خوشی ہوگی۔" لڑکوں نے

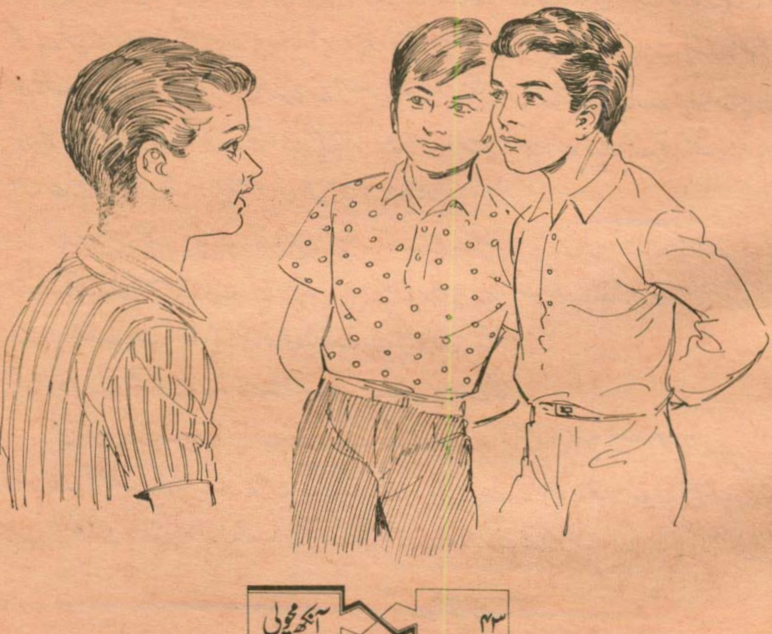

دلچسپی سے اس کا جائزہ لیا۔ وہ چودہ پندرہ برس سے زیادہ کا نہیں تھا۔ سر کے بال سنہرے اور ایک ترتیب سے جمے ہوئے تھے۔ اس نے اسکول یونیفارم کی نیلی جرسی اور سیاہ پتلون پہن رکھی لیکن اس کی آنکھوں میں سرد مہری اور حقارت کا انداز تھا جیسے سب کو کمتر اور حقیر سمجھتا ہو۔

لڑکوں نے لاشعوری طور پر محسوس کیا کہ وہ ان کی توہین کر رہا ہے۔ اس لئے اسکول کے باقی وقت میں کسی نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ یہاں صرف ظفر ہی ایک ایسا لڑکا تھا جس سے اس کی جان پہچان تھی۔ دوپہر کے کھانے پر وہ ظفر کے ساتھ ہی بیٹھا۔ ظفر نے کہا، "یہ راحت عباس ہیں ایک بہت بڑے صنعتکار کے صاحبزادے۔"

لیکن لڑکے اس حوالے سے مرعوب نہیں ہوئے۔ ان کے نزدیک کسی بڑے صنعتکار کا صاحبزادہ ہونے سے اخلاق و تہذیب زیادہ اہم تھے۔ راحت نے کھانے کو دیکھ کر حقارت سے کہا، "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس بورڈنگ اسکول میں اتنی سستی سروس ہے تو کبھی یہاں نہ آتا۔"

"مسٹر راحت عباس ہم لوگ.... کھانے کے دوران گفتگو کرنا بد تہذیبی سمجھتے ہیں" کسی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ یہ ایک باوقار اور سنجیدہ لڑکا تھا اس کے لباس میں رکھ رکھاؤ تھا اور بڑی بڑی آنکھوں میں کچھ ایسا رعب تھا کہ راحت کی زبان پر سخت الفاظ آتے آتے رہ گئے۔

"یہ نوید ہے ہمارا اس سال کا ہیڈ بوائے" ظفر نے جلدی سے اسے بتایا۔ لیکن راحت کا انداز بتا رہا تھا کہ اسے نوید کا تحکمانہ لہجہ قطعی پسند نہیں آیا۔ آئندہ چند دنوں میں اس کی تصدیق ہو گئی۔ وہ نہایت ضدی، مغرور اور نافرمان لڑکا ثابت ہوا۔ جو کسی طرح کے ڈسپلن کا قائل نہ تھا اس کے نزدیک سارے ہم جماعت پرلے درجے کے احمق اور کتابی کیڑے تھے اسے اپنی امارت اور دولت پر انتہا سے زیادہ فخر تھا۔ ظفر بے چارہ اس سے بے حد مرعوب تھا اور ہمیشہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہتا۔

"یار نوید میں تنگ آ گیا ہوں!" یاسر نے چشمہ اتارتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی۔ "راحت ہر معاملے میں اپنی اہمیت جتانے کی کوشش کرتا ہے۔ آج ڈرامے کی کلاس میں پروفیسر سے اصرار کر رہا تھا کہ اسے جولیئس سیزر کا پارٹ دیا جائے لاحالانکہ وہ ایک مکالمہ بھی ڈھنگ سے نہیں بول سکتا۔"

"پریشان مت ہو" نوید نے خوشدلی سے کہا۔ "آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"مجھے پرنسپل نے بتایا ہے کہ راحت کے والد نے اسے کانونٹ سے اُٹھا کر یہاں بھیجا ہے ان کا خیال ہے کہ یہ اسکول اس کی شخصیت کی تعمیر کرنے میں مدد دے گا۔" لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ راحت کی بدتمیزیاں بڑھتی رہیں۔ اسکول کے اساتذہ فی الحال صبر اور انتظار کی پالیسی پر عمل کر رہے تھے کیونکہ اس مرحلے پر اگر سختی یا بازپرس

کی جاتی تو چھوٹے لڑکے کے زیادہ بگڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ لیکن طالب علم ماہرِ نفسیات نہیں تھے۔ اب ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ راحت کو چھوٹے بڑے کی عزت کا کوئی خیال نہ تھا۔ حد تو یہ ہے کہ ایک دن اس نے کلاس کے سب ذہین اور ہر دل عزیز طالب علم عمّار کی توہین کر دی۔ عمّار نے تو معاف کر دیا لیکن باقی لڑکے اپنے ساتھی کی ہتک برداشت نہ کر سکے۔ اُس روز جسمانی ورزش کے پیریڈ کے بعد ایک خفیہ میٹنگ ہوئی اور طے یہ پایا کہ راحت کا سوشل بائیکاٹ کیا جائے یہ لیکن اسکیم اسی وقت کامیاب ہو سکتی تھی جب ظفر بھی ان کا ساتھ دیتا چنانچہ شام کو نوید سمیت چند لڑکوں نے ظفر کو گھیر لیا۔

"دیکھو ظفر!" نوید نے صاف گوئی سے کہا۔ "ہم تمہارے دوست سے تنگ آ چکے ہیں۔ اب وقت ہے کہ اسے اپنی بدتہذیبیوں کا احساس دلایا جائے اس کے لئے تمہیں ہمارا ساتھ دینا چاہیئے۔ تمہاری دوستی خود راحت کے لئے تباہ کُن ہوگی۔ مائی ڈیر کیا تم میں ذاتی وقار کی حِس نہیں ہے؟"

ظفر کے لئے یہ احساس بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا کہ لڑکے اسے راحت کا خوشامدی سمجھنے لگے ہیں۔ بلاشبہ ہر لڑکے کو اپنا ذاتی وقار قائم رکھنا چاہیئے۔

دوسرا دن راحت عبّاس کے لئے بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا ہر لڑکا اس سے اس طرح دامن بچا کر گزرتا جیسے وہ آدمی نہیں کوئی بھوت ہو خیر ان کی تو اسے پرَوا نہیں تھی لیکن آخر ظفر کو کیا ہوا ہے؟ سارا دن اس نے بڑی بے چینی سے گزارا۔ دوسرے دن بھی یہی ہوا۔ وہ آپس میں باتیں کرتے۔ قہقہے لگاتے لیکن راحت کے آتے ہی ایک ناخوشگوار سی خاموشی چھا جاتی۔ ڈائننگ ہال میں وہ اپنی نشست پر تنہا ہوتا۔ اور ظفر بھی اپنی کرسی اُٹھا کر دور چلا جاتا آہستہ آہستہ اس کی سمجھ میں آ گیا کہ لڑکے اُسے سزا دے رہے ہیں۔ پہلے تو اس کا جی چاہا کہ پرنسپل سے ان کی شکایت کر دے اپنے ڈیڈی کو خط لکھ کر بتا دے کہ وہ اس اسکول میں کبھی نہیں رہے گا۔ لیکن پھر یہ جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور اس نے سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا کہ لڑکوں کے اس روّیئے کی اصل وجہ کیا ہے۔ آخر وہ چاہتا کیا ہے۔؟ آخر اس کی یہ خواہش کیوں ہے کہ ہر لڑکے کو اس کے سانچے میں ڈھل جانا چاہیئے۔ اگر وہ دوسروں پر اعتراض کرتا ہے تو خود اس میں کچھ خامیاں ہوں گی۔ اسے شدّت سے احساس ہوا کہ وہ تنہا رہ گیا ہے۔ بہت سے بُرے لڑکوں کے درمیان ایک اچھا لڑکا اپنا وقار قائم رکھ سکتا ہے لیکن بہت سے اچھے لڑکوں کے درمیان ایک بُرا لڑکا اجنبی اور قابلِ نفرت بن جاتا ہے۔ اگر ایک بار وہ اساتذہ اور ہم جماعتوں کی نظر میں گر گیا تو زندگی بھر سر اُٹھا کے چلنا مشکل ہو جائے گا۔ شرمندگی اور خوف سے چھوٹے لڑکے کو پسینہ آ گیا۔

بورڈنگ کے اُساتذہ حیران تھے کہ راحت ایک دم سنجیدہ محنتی اور فرمانبردار کیسے بن گیا۔ وہ اپنا کام

باقاعدگی سے کرتا اور باقی وقت دور سے لڑکوں کو مختلف کھیلوں میں حصّہ لیتے دیکھتا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اسے معاف کیوں نہیں کرتے؟ ایک دن نوید نے دیکھا کہ راحت کی آنکھیں سُرخ ہیں وہ کئی دنوں سے بڑی گہری نگاہوں سے اس کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ نوید کا دِل بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا "اب مشترکہ محاذ ختم ہوجانا چاہیئے ہم اسے اتنی اذیّت نہیں دے سکتے کہ وہ بیمار پڑ جائے"۔

"ایک ہفتے میں تو اصلاح ممکن نہیں ہے" کسی نے کہا۔ لیکن نوید نے ہاتھ اُٹھاکر اُسے خاموش کردیا۔

"میرے دوست ہمارا رویّہ اس چھوٹے سے طالب علم کے مستقبل پر برا اثر ڈالے گا۔ میں کسی کے تعلیمی کیریر کو تباہ کرنے کا مجرم نہیں بن سکتا۔ میں اسے لینے جا رہا ہوں۔ تم کھُلے دل سے اسے خوش آمدید کہنے کے لئے تیّار ہوجاؤ"۔

نصف گھنٹے کے بعد وہ راحت کے ساتھ واپس آیا تو لڑکوں نے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

"تم نے دیکھا۔ ہم تم سے بالکل ناراض نہیں۔" نوید راحت سے مخاطب ہوا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ تم ابھی چھوٹے ہو اور بہت سی باتیں اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے اس لئے تمہیں ہماری کمپنی کی ضرورت ہے۔ میرے دوست لڑکوں کو اور خاص طور پر چھوٹے لڑکوں کو اسکول لائف ہی میں اپنے اندر وہ وقار اور شعور پیدا کرنا چاہیئے جس کا ایک بہتر معاشرہ تقاضا کرتا ہے۔ میں چاہتا ہوں لوگ تمہیں چھوٹا نہ سمجھیں۔ تم بہت ذہین ہو اور شاید ایک دن میری جگہ ہیڈ بوائے کا اعزاز حاصل کرلو گے۔ کیوں ٹھیک نا؟"

"یس سَر!" راحت نے ایڑیاں بجاکر اُسے سیلوٹ کیا۔ اور میدان اُن کے مشترکہ قہقہوں سے گونج اُٹھا۔

چالاکی

منیر احمد فاضل
برڈوڈ روڈ، لاہور

دو دوست مچھلیوں کا شکار کھیل رہے تھے۔ دونوں پانی میں بنسیاں ڈالے بیٹھے تھے۔ اتنے میں جھیل کا محافظ آگیا۔ ایک دوست اُٹھ کر بھاگا۔ محافظ نے اس کا پیچھا کیا کافی دور جاکر محافظ نے اسے پکڑ لیا اور ڈانٹ کر پوچھا "تم لائسنس کے بغیر مچھلی کا شکار کیوں کھیل رہے تھے۔"؟

اس نے آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے، ہنس کر جواب دیا "میں لائسنس کے بغیر کھیلنے کی ہمّت تک نہیں کرسکتا"۔

محافظ نے کہا "اپنا لائسنس دکھاؤ" اس نے جیب سے لائسنس نکال کر محافظ کے حوالے کردیا۔ محافظ پھٹی پھٹی نظروں سے لائسنس دیکھتا رہا۔ پھر پوچھا "جب تم لائسنس رکھتے تھے تو پھر تم نے بھاگنے کی حماقت کیوں کی تھی"۔ "محض اس لئے کہ میرے دوست کے پاس لائسنس نہیں تھا"۔ اس نے جواب دیا۔ محافظ نے پلٹ کر جھیل کے کنارے اس کے دوست پر نظر ڈالی، وہ وہاں سے رفوچکر ہوچکا تھا۔

مریض (ڈاکٹر سے) "میں کئی دنوں سے خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میں کرکٹ میچ کھیل رہا ہوں"۔

ڈاکٹر: "یہ دوا کھا لیجیے، ایسا خواب آنا بند ہو جائے گا"۔

مریض: "لیکن میں یہ دوا آج نہیں، کل کھاؤں گا"۔

ڈاکٹر: "مگر کیوں؟"

مریض: "آج میری سینچری بننے کی اُمید ہے"۔

اسرارالحق خانزادہ ــــــــــ ٹنڈوجام

ایک بچّی اپنے والد کے ساتھ پارٹی میں گئی۔ میزبان کے کمرے میں جو کہ وکیل تھے، کتابوں کی بھرمار دیکھ کر اُس نے اپنے والد کے کان میں آہستہ سے کہا: "پاپا! لگتا ہے، یہ بھی آپ کی طرح لائبریری سے کتابیں لا کر واپس نہیں کرتے"۔

صباحت شکیل ــــــــــ کراچی

کامران (عمران سے) "الفاظ مَر چکے ہیں۔ اب کسی لفظ کا کسی شخص پر کوئی اثر نہیں ہوتا"۔

عمران: "اگر میں چند الفاظ بولوں اور آپ جوش سے اُٹھ کھڑے ہوں، تب تو آپ مانیں گے ناکہ الفاظ مَرے نہیں، بلکہ زندہ ہیں"۔

کامران: "ظاہر ہے، پھر تو ماننا ہی پڑے گا"۔

عمران: "جو لوگ کہتے ہیں کہ الفاظ مَر چکے ہیں۔ وہ گدھے ہیں، نالائق ہیں، جاہل ہیں"۔

کامران: (چیخ کر) "بکواس بند کرو، ورنہ میں تمھارا منہ توڑ دوں گا"۔

ناصر کریم ــــــــــ کراچی

ایک شکاری (دوسرے شکاری سے) "میں نے مصر میں خوں خوار چیتے مارے ہیں"۔

دوسرا شکاری (حیرت سے) "لیکن مصر میں تو چیتے نہیں ہوتے"۔

پہلا شکاری، "ہوں گے کہاں سے، میں نے سب چیتوں کا شکار کر لیا ہے۔"

نعیم حاجی اقبال ——— کھارادر، کراچی

دو لڑکے آپس میں لڑ رہے تھے۔ پولیس نے انہیں پکڑ کر حوالات میں بند کر دیا۔ ایک لڑکا حوالات میں بھی دوسرے لڑکے سے لڑنے لگا تو پہلا لڑکا بولا "خدا کے بندے اب تو باز آجاؤ۔ پہلے گھر سے نکلوایا ہے، اب حوالات سے بھی نکلواؤ گے"۔

محمد کامران خان ——— وحدت کالونی، لاہور

جیب کترا۔ "مجھے سردی کا موسم بالکل پسند نہیں"۔

دوسرا، "کیوں"؟

جیب کترا، "اس لئے کہ سردیوں میں ہر کوئی اپنے ہاتھ جیبوں میں ڈالے رکھتا ہے"۔

عائزہ بانو ——— شاہ فیصل کالونی، کراچی

ایک آدمی نے مکا مار کر دوسرے آدمی کے دانت توڑ دیئے۔ جج نے پوچھا "تم نے اس کے دانت کیوں توڑے"۔

"اس نے ایک سال قبل مجھے گینڈا کہا تھا"۔

"تو تم نے ایک سال بعد اسے مکا کیوں مارا"؟ جج نے پوچھا۔

"کیونکہ میں نے آج ہی گینڈا دیکھا ہے"۔

قرۃ العین علی ——— پشاور

باپ "اگر میرے پاس دس عدد گیندیں ہوں اور میں اُن میں سے چھ تمہیں دے دُوں تو بتاؤ، میرے پاس کُل کتنی بچیں گی؟"

بیٹا "مجھے نہیں معلوم! کیونکہ میرے اسکول میں امرودوں کے ذریعے سوالات پوچھے جاتے ہیں"۔

عزیز احمد شیخ ——— میرپور خاص

ملازم دیر سے آیا تو مالک نے غصّے سے کہا، "اُلو کہاں رہتا ہے"؟

ملازم "حضور گھونسلے میں"۔

مالک "گدھے؟"

ملازم "دھوبی کے ہاں"

مالک (سخت غصّے سے) "بے وقوف"

ملازم،، (معصومیت سے) "حضور مجھے اس جانور کا گھر معلوم نہیں"؟

رضیہ اختر ——— آریہ محلہ راولپنڈی

ایک دیہاتی نے گھڑی خریدی کچھ دن کے بعد گھڑی خراب ہوگئی۔ دیہاتی نے گھڑی کھولی، گھڑی میں ایک مرا ہوا مچھر پڑا تھا، مچھر دیکھ کر دیہاتی رونے لگا۔ ایک رحمدل آدمی نے اس سے پوچھا "کیوں رو رہے ہو"؟

دیہاتی نے جواب دیا "میری گھڑی کا ڈرائیور مرگیا ہے"

سلطان محمد ——— کوئٹہ

ایک نامور بیٹسمین میچ کھیل رہا تھا۔ کافی لوگ میچ دیکھنے آئے ہوئے تھے۔ مخالف ٹیم کے بولر نے لمبے اسٹارٹ سے نہایت تیز گیند پھینک کر بیٹسمین کو بولڈ کر دیا۔ ایمپائر

نے نوبال کہتے ہوئے بولر کو بلا کر سمجھایا۔" احمق! لوگ اس کی بیٹنگ دیکھنے آئے ہیں، تمہاری بولنگ نہیں۔"

محمد عمیر خان ——— کراچی

ایک باس، اپنے چیف بل کلکٹر سے کہہ رہا تھا۔"لوگوں سے بل اکٹھا کرنے کے سلسلے میں ایک گوریلے کو اپنے ساتھ لے جانے کا تجربہ کیسا رہا؟"

" اچھا بھی اور برا بھی" بل کلکٹر نے جواب دیا "جتنے بل عموماً ایک ہفتے میں جمع ہوتے تھے، وہ میں نے ایک ہی دن میں وصول کر لئے ہیں "

" پھر اب اس میں کیا خرابی ہے ؟"

"اب اس گوریلے سے رقم حاصل کرنا مشکل ہو گیا ہے۔"

عبدالرحیم ناگوری ——— جھڈو

ایک بھکاری نے بازار میں ایک ڈاکٹر کے سامنے ہاتھ پھیلا کر سوال کیا تو ڈاکٹر نے حقارت سے کہا۔" ہٹے کٹے ہو۔ ہاتھ پاؤں بھی سلامت ہیں پھر بھیک کیوں مانگتے ہو؟"

بھکاری نے اسے گھورتے ہوئے جواب دیا " تو کیا میں تمہارے چند سکوں کی خاطر ہاتھ پاؤں تڑوا دوں "

محمد ادریس ——— ملیر کالونی، کراچی

ایک شخص کسی کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں اسے ہر روز کھانے کو دال ملتی۔ وہ بیچارا دال کھا کھا کر تنگ آگیا ایک دن حسب معمول دال کھا رہا تھا کہ میزبان نے باتیں کرتے ہوئے پوچھا: " آج چاند کی کونسی تاریخ ہے۔؟"

مہمان نے جل کر جواب دیا " چاند کی تاریخ کا تو پتہ نہیں، البتہ دال کی آج اٹھارہ تاریخ ہے۔"

فاروق احمد نعیم ——— ڈاکخانہ خاص

گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی، جب تک جنگ جاری رہی۔ ایک سپاہی اپنے افسر کے ساتھ ساتھ رہا۔ افسر جہاں جاتا سپاہی پیچھے پیچھے جاتا۔ افسر نے اسے بہت شاباش دی اور کہا" تم نے مجھے بچانے کے لئے اپنی جان خطرے میں کیوں ڈالی۔؟"

سپاہی بولا "جناب! میری والدہ نے مجھے نصیحت کی تھی کہ بیٹا جنگ میں ہمیشہ اپنے افسر کے ساتھ رہنا کیونکہ افسر لوگ بہت کم مارے جاتے ہیں۔"

فاروق احمد نعیم ——— ڈاکخانہ خاص

مشہور سائنسدان آئزک نیوٹن کم گو اور سنجیدہ واقع ہوا تھا۔ جب اسے انگلستان کی کیمبرج یونیورسٹی کا نمائندہ نامزد کیا گیا تو دو اجلاسوں میں شرکت کرنے کے باوجود اس نے کبھی تقریر نہیں کی۔ ایک مرتبہ پارلیمنٹ کا اجلاس جاری تھا کہ اچانک وہ کھڑا ہو گیا۔ لوگ اس عظیم شخص کو سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو گئے۔ نیوٹن نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور دھیمے لہجے میں کہا" براہ کرم کھڑکی بند کر دو سرد ہوا آرہی ہے " اور دوسرے ہی لمحے وہ اپنی نشست پر بیٹھ چکا تھا۔

ایم رفیق زاہد ——— گوادر

استاد:۔ جنگ کے زمانے میں اگر آپ کے قریب سے کوئی گزرے تو آپ فوراً چھپ کر اسے "رک" کہہ کر کوڈ ورڈز پوچھیں اور اگر وہ غلط بتائے یا نہ بتائے تو گولی مار دیں "۔

شاگرد:۔" سر اگر وہ گونگا ہوا تو پھر .....؟"

تجمل الیاس ——— سمن آباد لاہور

حارث شمیم

چوہا، انسان کا سب سے بڑا دشمن

کہا جاتا ہے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن انسان ہی ہے، لیکن کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ دنیا میں انسان کا دوسرا بڑا دشمن کون ہے؟ ارے آپ تو سوچ میں پڑ گئے۔ اچھا ہم بتائے دیتے ہیں۔ جناب انسان کا سب سے بڑا دشمن ایک چھوٹا سا جانور ہے ایسا جانور جو دنیا کے ہر ملک میں ظُلم کی طرح کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اور یہ جانور ہے "چوہا" ارے آپ تو پھر سوچ میں پڑ گئے لگتا ہے آپ کو سوچنے کی بہت عادت ہے۔ آپ یہی سوچ رہے ہیں نا کہ چوہا انسان کا سب سے بڑا دشمن کس طرح ہے تو آئیے ہم بتائے دیتے ہیں۔

اقوامِ متحدہ کے عالمی ادارۂ خوراک کی ایک رپورٹ کے مطابق ہر سال دُنیا بھر میں پیدا ہونے والی کُل خوراک کا پانچ فیصد چوہے کھا جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ چوہے دُنیا بھر میں تقریباً ۲۰ ر اقسام کی خطرناک بیماریوں کو پھیلانے کا سبب بھی بنتے ہیں۔ امریکی حکومت چوہوں کو مختلف ذرائع سے ہلاک کرنے کے لیے ہر سال تقریباً ۱۳ ر ملین ڈالر خرچ کر رہی ہے۔

چوہے انسانوں کے لیے کتنے خطرناک ہیں اس کا اندازہ صرف اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۸۹۸ء میں ہندوستان میں چوہوں کے باعث پھیلنے والی طاعون کی بیماری سے ایک کروڑ پچیس لاکھ افراد ہلاک ہو گئے تھے۔ اس وقت بھی ہندوستان کے شہر بمبئی میں ہر سال ۲۰ ر ہزار افراد چوہوں کے کاٹنے سے چڑھنے والے بخار میں مبتلا ہوتے ہیں۔ مقامی انتظامیہ نے بمبئی میں ۸۵ ر افراد کو چوہے مارنے کے کام پر مامور کر رکھا ہے۔ جن میں سے ایک فرد ہر رات تقریباً ۲۵ ر چوہے شکار کرتا ہے۔

چوہوں کی اس اہمیت کے پیشِ نظر امریکہ میں چوہوں کی زندگی پر تحقیقات کی گئی ہیں۔ جن سے بڑی دلچسپ معلومات سامنے آئی ہیں۔ تحقیقات کرنے والوں کے بقول چوہوں کی ہر کالونی خوفناک مقابلے کا منظر پیش کرتی نظر آتی ہے۔ طاقتور چوہے اُن علاقوں پر قبضہ کر لیتے ہیں جن کے قریب غذا بآسانی اور کثرت سے دستیاب ہوتی ہے۔ اور یہ چوہے کمزور چوہوں کو وہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ تحقیق کے مطابق ہر چوہیا ایک سال میں تقریباً دس بچوں کو جنم دیتی ہے۔ اسے انسان کی خوش قسمتی کہیے کہ چوہوں کی اوسط عمر ایک سال سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ورنہ یہ زمین چوہوں کی کثرت سے تنگ ہو جاتی۔

تاہم چوہے جہاں انسانوں کے لیے اتنے خطرناک ہیں وہیں وہ انسانوں کے لیے تمام جانوروں سے زیادہ مفید بھی ہیں۔ مثال کے طور پر اس وقت دُنیا بھر میں مختلف انسانی بیماریوں کے علاج کے سلسلے میں تجربات کے لیے چوہوں کو استعمال کیا جا رہا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق صرف امریکہ میں ۱۸ ملین چوہوں کو طبّی اور نفسیاتی مطالعہ کے لیے استعمال کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ چوہوں کو سدھا کر انہیں مختلف کرتب دکھانے کے لیے بھی استعمال کیا جا رہا ہے

مٹی سے نہایئے

"اُرجن ٹیریا" یونان کا ایک جزیرہ ہے، جہاں لوگ صابن کی بجائے مٹی سے نہاتے ہیں۔ کیونکہ اس جزیرے کی مٹی میں صابن قدرتی طور پر پایا جاتا ہے۔

مرسلہ:۔ صبا حسن، کراچی

آدم خور قبیلہ

"پاپوان" آدم خوروں کا ایک قبیلہ ہے، جہاں کی عورتیں بیوہ ہونے کے بعد اپنے شوہروں کی کھوپڑیاں اور ہڈیاں ساری عمر کے لئے اپنی گردن میں ڈال لیتی ہیں۔

مرسلہ:۔ صبا حسن:۔ کراچی

ریل سے نیچے اترتے وقت

انگریز جب ریل سے اترتا ہے تو چلتے وقت مڑ کر ڈبے میں یہ دیکھتا ہے کہ کہیں اس کا سامان تو نہیں رہ گیا۔ امریکی باشندہ ایسا کرتے وقت پیچھے دیکھے بغیر ہی اپنی منزل کی طرف چلا جاتا ہے۔ لیکن اسکاٹ لینڈ کا باشندہ جب گاڑی سے نیچے اُترنے لگتا ہے تو اس لئے مُڑ کر دیکھتا ہے کہ کہیں کسی اور کا سامان تو نہیں رہ گیا۔

مرسلہ:۔ کاشف پرویز، کراچی

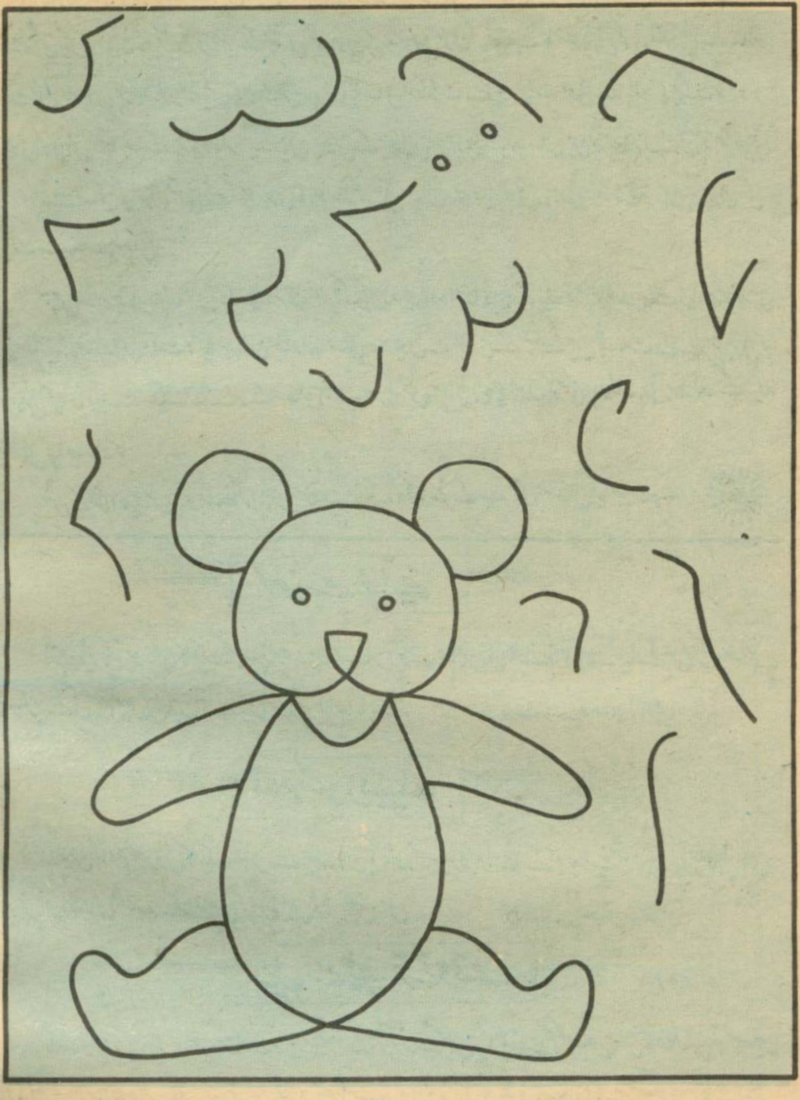

ٹیڈی بیر کے پاس پاس بکھری ہوئی لائنوں کو یکجا کر کے آپ بھی ایک ایسا ہی ٹیڈی بیر بنا سکتے ہیں کوشش کیجیے

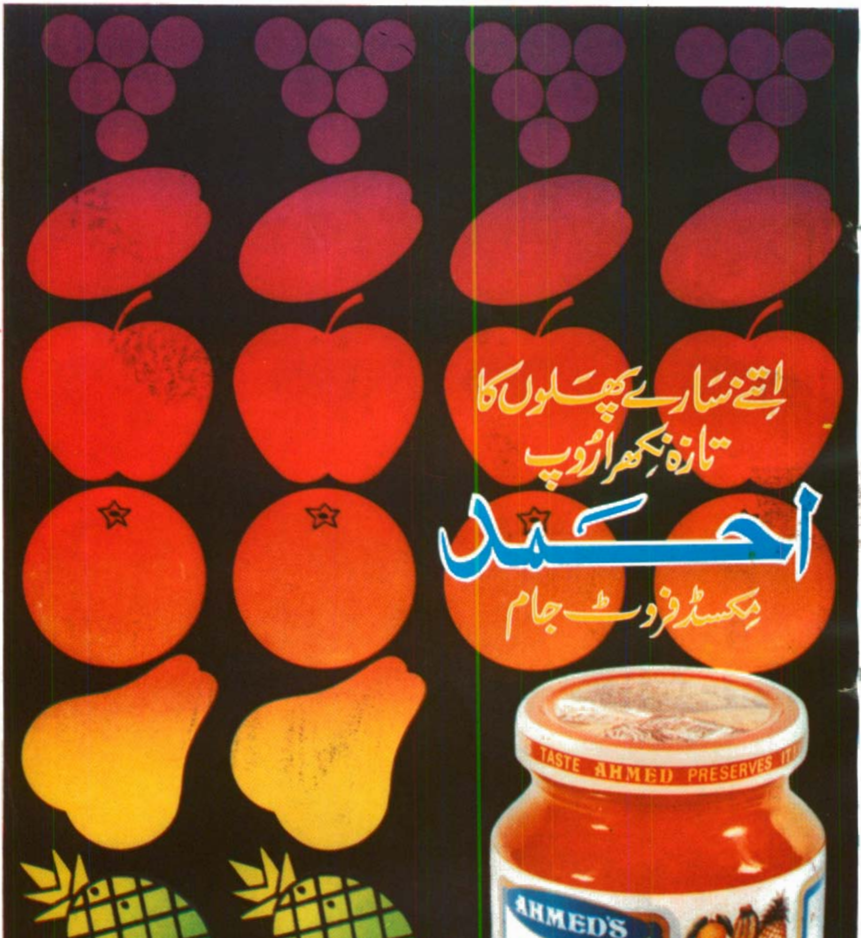

اِتنے سارے پھلوں کا
تازہ نِکھرا رُوپ
احمد
مِکسڈ فروٹ جام
TASTE AHMED PRESERVES
AHMED'S
JAM
MIXEDFRUIT

ھر دور کی ایک پہچان ہوتی ہے۔ مثلاً جہانگیر کا دور انصاف کا دور کہلاتا ہے اور انگریزوں کا غلامی کا۔ موجودہ دور یوں تو سائنسی ترقی کا دور ہے۔ لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارا دور "چمچوں کا دور" کہلانے کا مستحق ہے۔ کیونکہ گھر ہو یا دفتر اسکول ہو یا کالج ہر جگہ چمچوں کا راج ہے اور چمچوں ہی کے سر پر کامیابی کا تاج ہے۔

دوسری بہت سی چیزوں کی طرح چمچے بھی ہمیں انگریزوں سے ورثے میں ملے ہیں۔ ابتداء میں چمچے صرف

ہنڈیا، دسترخوان یا ڈائننگ ٹیبل پر پائے جاتے تھے لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ چمچے، ہنڈیا، دسترخوان اور ڈائننگ ٹیبل سے نکل کر وبائی مرض کی طرح پورے معاشرے میں پھیل گئے۔ یہ چمچے کچھ اور نہیں تو صرف چمچہ گیری کرتے ہیں اور ان چمچوں کی اتنی اہمیت ہے کہ ان کے بغیر کوئی سیاست دان، کوئی افسر حتّیٰ کہ کوئی معقول غنڈہ اپنا کاروبارِ زندگی ایک دن بھی کامیابی کے ساتھ نہیں چلا سکتا۔

چمچہ گیری کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں چمچہ گیری کو باقاعدہ مضمون کا درجہ دے کر شاملِ نصاب نہ کر دیا جائے۔ اگر ایسا ہُوا تو ہمیں اُمید ہے کہ یہ مضمون خاصا رش لے گا۔ اور اس مضمون کو پڑھانے کے لئے تجربہ کار افراد کی لائن لگ جائے گی یعنی اُن افراد کی جو چمچہ گیری میں بے پناہ شہرت رکھتے ہیں۔

پہلے ہمارا خیال تھا کہ چمچے صرف ہمارے ملک ہی میں مقبول ہیں دوسرے ممالک میں ان کی طرف کسی کی توجّہ نہیں۔ لیکن لگتا ہے کہ ایسا نہیں۔ دوسرے ممالک میں بھی چمچوں پر خاصی توجّہ دی جا رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ چمچے ہمارے ملک کے چمچوں سے مختلف ہیں یعنی۔ یہ واقعی چمچے ہیں۔ چاندی کی رنگت والے خوبصورت چمچے انہیں آپ شائع شدہ تصویر میں دیکھ سکتے ہیں۔

تصویر میں جو صاحب سر پر ڈش نما چیز اوڑھے اور ہاتھوں میں چھُری کانٹا لئے کھڑے ہیں ان کا نام جارج گیُڑا ہے یہ صاحب آسٹریلیا کے رہنے والے ہیں۔

ایک دن یہ ہُوا کہ جارج صاحب کی اپنی بیگم سے سخت لڑائی ہو گئی۔ جس کے بعد ان کی بیگم صاحبہ اپنے میکے چلی گئیں۔ نتیجتاً جارج کو کھانا بنانے کے لئے کچن کا منہ دیکھنا پڑ گیا۔ کچن میں جارج نے بہت سارے چمچے دیکھے تو ان کے ذہن میں خیال آیا کہ کیوں نا ان چمچوں سے پرندے بنائے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے چمچوں اور چھُریوں کی مدد سے ایک باز اور مرغا بنا ڈالا۔ اس طرح جارج کی بیگم سے لڑائی نہایت فائدہ مند ثابت ہوئی۔

"بھلا کیسے"؟ ارے جناب ایسے کہ جارج اپنے بنائے ہوئے باز اور مرغ کی بدولت پورے آسٹریلیا میں مشہور ہو گئے اور نہ صرف یہ بلکہ آرٹ کے کئی قدردان اس باز اور مرغ کو تیس تیس ہزار امریکی ڈالر میں خریدنے کی پیش کش کر چکے ہیں۔ تو جناب یہ ہے چمچوں کو استعمال کرنے کا صحیح طریقہ!

عقیل عباس جعفری

گنی چُنی معلُومات

(۶)

- قرآنِ پاک میں چھ سورتوں کے نام انبیائے کرام کے نام پر ہیں ۔ وہ سورتیں ہیں سورۂ نوح، سورۂ ابراہیم سورۂ ہُود، سورۂ یوسف، سورۂ یونس اور سورۂ محمدؐ ۔
- چھ سیّارے ایسے ہیں جو دوربین کی مدد کے بغیر بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ عطارد، زہرہ، مرّیخ، مشتری، زحل اور خود زمین ۔
- یوں تو دنیا کے بیشتر ممالک آبادی میں اضافے کے مسئلے سے دوچار ہیں مگر چھ ممالک ایسے بھی ہیں جہاں آبادی بڑھنے کے بجائے گھٹ رہی ہے ۔ وہ ممالک ہیں آسٹریا، ڈنمارک، ہنگری، سویڈن، مشرقی جرمنی اور مغربی جرمنی ۔
- نوبل انعامات چھ شعبوں میں دیے جاتے ہیں۔ ادب، امن، کیمیا، طبعیات، طب اور اقتصادیات ۔
- کیمیا میں چھ گیسیں نوبل گیسز کہلاتی ہیں ۔ ان کے نام ہیں ہیلیئم، آرگان، کرپٹون، نیون، ریڈون اور زینون ۔
- اقوامِ متحدہ میں سرکاری زبانوں کی تعداد چھ ہے ۔ انگریزی، فرانسیسی، روسی، ہسپانوی، چینی اور عربی ۔
- پانی کی بہ نسبت ہوا میں روشنی چھ گُنا زیادہ رفتار سے سفر کرتی ہے ۔
- علّامہ شبلی نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی مشہور تصنیف "سیرۃ النبیؐ" اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی مشہور تفسیر "تفہیم القرآن" چھ چھ جلدوں پر مشتمل ہے ۔
- تختِ دہلی پر کُل چھ خاندانوں نے حکومت کی ۔ غلاماں، خلجی، تغلق، سادات، لودھی اور مغل ۔
- صحاحِ ستّہ، حدیث کی چھ مستند ترین کتابوں کو کہا جاتا ہے ۔ ان کتابوں کے نام ہیں صحیح بخاری صحیح مسلم، سُننِ ابی داؤد، سُننِ ابنِ ماجہ، جامع ترمذی اور سُننِ نسائی یہ سب کتابیں تیسری صدی ہجری میں مُرتب ہوئی تھیں ۔

(۷)

- کلمۂ طیبہ سات الفاظ اور سورۂ فاتحہ سات آیات پر مشتمل ہے ۔

گنی چُنی معلومات

- فرانس ، اٹلی اور آئرلینڈ تینوں ممالک میں عہدۂ صدارت کی مدت سات سات سال ہے۔
- شمالی بحر الکاہل، جنوبی بحر الکاہل، بحرِ اوقیانوس، جنوبی بحرِ اوقیانوس، بحرِ منجمد شمالی، بحرِ منجمد جنوبی اور بحرِ ہند کو اصطلاحًا "سات سمندر" کہا جاتا ہے۔
- فٹ بال یا ہاکی میچ کے دوران ریفری کے پاس سات چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ سیٹی، سکّہ، گھڑی، گیند، نوٹ بک، پینسل اور رنگین کارڈ۔
- متحدہ عرب امارات، سات امارتوں کا مجموعہ ہے۔ جن کے نام ہیں ابوظہبی، شارجہ، ادمان فجیرہ، ام القوئن راس الخیمہ اور دوبئی۔
- ۱۵ اگست، ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی جس پہلی کابینہ نے حلف اٹھایا تھا۔ اس میں وزراء کی کل تعداد سات تھی۔
- ورڈز ورتھ سات برس تک برطانیہ کا ملک الشعراء رہا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس دوران اس نے ایک بھی نظم نہیں لکھی۔
- یونانی شاعر ہومر کی پیدائش کے لیے سات شہر دعویدار ہیں۔
- سارک، جنوبی ایشیا کے سات ممالک کی علاقائی تعاون کی تنظیم ہے۔ اس کے رکن ممالک ہیں، پاکستان بھارت، نیپال، سری لنکا، مالدیپ، بنگلہ دیش اور بھوٹان۔
- قدیم دنیا میں اہرامِ مصر، رہوڈوز کے مجسّمے، بابل کے معلّق باغات، اسکندریہ کا روشنی کا مینار، موسولس کے مقبرے ڈیانا دیوی کے مندر اور زیوس دیوتا کے مجسّمے کو "سات عجائبات" کہا جاتا تھا۔

۸

- شبِ معراج حضورِ اکرمؐ کی ملاقات سات آسمانوں پر آٹھ انبیائے کرامؑ سے ہوئی تھی۔
- رقبہ کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک سوڈان ہے۔ جس کی سرحدیں آٹھ ممالک سے ملتی ہیں۔
- کرکٹ کی پچ ۸ فٹ ۸ انچ چوڑی ہوتی ہے۔

گنتی چنتی معلومات

● امریکی ریاست ورجینیا میں امریکہ کے آٹھ صدر پیدا ہوئے۔ اسی لیے اُسے ۸، آف پریزیڈینٹس بھی کہا جاتا ہے۔
● پاکستان کا سب سے بڑا عسکری اعزاز نشانِ حیدر ہے۔ جسے اب تک آٹھ افراد حاصل کر چکے ہیں۔
● امریکہ میں روم نام کے آٹھ شہر ہیں۔
● سورج کی روشنی زمین تک ۱/۲ ۸ منٹ میں پہنچتی ہے۔
● ایک میل میں آٹھ فرلانگ ہوتے ہیں۔
● ڈاکٹر سیموئیل جانسن نے اپنی مشہورِ عالم ڈکشنری آٹھ سال میں مکمل کی تھی۔
● دن اور رات میں آٹھ پہر ہوتے ہیں۔

۹

● قرآنِ پاک میں نو سورتوں کے نام شخصیات کے نام پر ہیں۔
● پورے چاند کی روشنی آدھے چاند کی روشنی کے مقابلے میں ۹، گُنا زیادہ ہوتی ہے۔
● حضورِ اکرمؐ کے وصال کے وقت نو اُمہات المؤمنینؓ حیات تھیں۔
● جاپان میں بچّے کی پیدائش کے وقت اس کی عمر ۹، ماہ تسلیم کی جاتی ہے۔
● گٹار میں نو تار ہوتے ہیں۔
● مغل بادشاہ اکبر کے نورتن بہت مشہور ہیں۔ ان نورتنوں کے نام ہیں۔ ابوالفضل، فیضی، حکیم ہمام، ابوالفتح گیلانی، راجہ ٹوڈرمل، عبدالرحیم خانخاناں، مرزا کوکل تاش، راجہ مان سنگھ اور بیربل۔
● اسکواش میں ایک گیم جیتنے کے لیے ۹، پوائنٹس درکار ہوتے ہیں۔
● عالمی عدالت کے جج ۹، سال کے لیے منتخب کیے جاتے ہیں۔
● برِصغیر میں اکبرِ اعظم کے علاوہ بکرماجیت کے نورتن بھی مشہور ہیں۔ ان نورتنوں کے نام ہیں۔ کالیداس، امر سنگھ

گنی چنی معلومات

درہ جی، دھونتری، گھاٹ کھارپر، شپنگ، اشوا گھوش، وٹھل بھگتا اور ورا میہر۔

● جوش ملیح آبادی نے اپنا پہلا شعر ۱۹۰۷ء میں نو برس کی عمر میں کہا تھا۔

شعر: شاعری کیوں نہ راس آئے مجھے — یہ میرا فن خاندانی ہے۔

(۱۰)

● عشرۂ مبشرہ ان دس صحابہ کرامؓ کو کہا جاتا ہے جنھیں حضور اکرمؐ نے ان کی زندگی ہی میں جنتی ہونے کی بشارت دے دی تھی۔ ان کے نام ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ۔ حضرت عثمان غنیؓ۔ حضرت علی مرتضیٰؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت سعیدؓ بن زید۔ حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت زیدؓ بن حارثہ اور حضرت طلحہؓ

● ۲۵۲۰، وہ چھوٹے سے چھوٹا عدد ہے جو ایک سے دس تک کے تمام اعداد سے پورا تقسیم ہو جاتا ہے۔

● سر ڈان بریڈمین، اپنے ٹیسٹ کیریئر میں دس مرتبہ ناٹ آؤٹ رہے تھے۔

● حضور اکرمؐ کے وصال کے وقت مدینہ میں مساجد کی تعداد دس تھی۔

● مسجدِ نبوی کی زمین دس دینار میں خریدی گئی تھی۔ یہ قیمت حضرت ابوایوب انصاریؓ نے ادا فرمائی تھی۔

● آسٹریلیا کے خلاف جس ٹیسٹ میچ میں سرفراز نواز نے نو وکٹیں لی تھیں۔ اس میں دسویں وکٹ کسی بالر نے نہیں لی تھی بلکہ وہ رن آؤٹ ہوا تھا۔

● ۱۰۔ ڈاؤننگ اسٹریٹ، برطانوی وزیراعظم کی سرکاری رہائش گاہ ہے۔ اس گھر کا نام سر جارج ڈاؤننگ کے نام پر رکھا گیا ہے۔

● مشہور موجد ٹامس ایلوا ایڈیسن نے دس برس کی عمر میں اپنے گھر کے تہہ خانے میں ایک تجربہ گاہ قائم کر لی تھی۔

● رومانیہ کی مشہور جمناسٹ نادیہ کومانسی نے ۱۹۷۶ء کے مانٹریال اولمپکس میں سات مقابلوں میں دس کے دس نمبر حاصل کیے تھے۔

● ۱۰ محرم ۶۱ھ کو عیسوی تاریخ ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء تھی۔

دوسرا انعام یافتہ مضمون

فرزانہ رُوحی

اورنگی ٹاؤن

ویرانے سے شہر تک

کسی شاعر نے کہا تھا۔ ؎

بَستی بَسنا کھیل نہیں ہے
بَستے ۔ بَستے بَستی ہے

مگر ـــــ کراچی کی ایک بَستی "اورنگی ٹاؤن" ایسی بستی ہے جو بَستے بستے ، بسنے کے بجائے یک دم بڑی سُرعت سے بسی ہے۔ اورنگی ٹاؤن کراچی کے مغرب میں واقع ہے۔ اس کے جنوب میں پاکستان کا سب سے بڑا صنعتی علاقہ سائٹ واقع ہے اور شمال کی سمت پہاڑوں کے دوسری جانب صوبہ بلوچستان کی سرزمین شروع ہوتی ہے۔ اُسی جانب حَب ڈیم بھی واقع ہے۔ بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان اس بَستی کا نقشہ بوتل کی مانند ہے۔ جب کبھی اورنگی

کو شہر کے دیگر علاقوں سے ملانے والا واحد راستہ جو بنارس چوک سے ہو کر گزرتا ہے، بند کر دیا جاتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے بوتل کا ڈھکن بند کر دیا گیا ہو اس راستے کے بند ہو جانے سے لوگ اورنگی میں محصور ہو کر رہ جاتے ہیں باشندگان اورنگی کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لیے قصبہ کالونی کی پہاڑیوں کو کاٹ کر ایک متبادل راستہ تعمیر کیا جارہا ہے۔

سابق مشرقی پاکستان سے بے سروسامانی کے عالم میں ہجرت کر کے آنے والوں کی ایک بڑی تعداد یہاں رہائش پذیر ہے۔ دراصل اورنگی کو ان ہی لوگوں نے آباد کیا۔ ۱۹۷۲ء میں پہاڑیوں اور جھاڑیوں کو کاٹ کر جب یہ لوگ یہاں آباد ہوئے تو جنگل میں منگل کا سماں پیدا ہو گیا۔ جب کہ اس سے قبل یہاں گیدڑوں کا راج تھا۔ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۷۱ء میں وطن کی خاطر جان کی بازی لگانے والے شہدا کے ورثا، محنتی و جفاکش لوگوں اور ذہین طالب علموں کی یہ بستی تقریباً ۱۰ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ اورنگی ایشیا کی سب سے بڑی کچی آبادی ہے۔ اس کے ۱۶ سیکٹر اور ۱۲ بلدیاتی حلقے ہیں۔

لوگوں کے فلم بینی کے شوق کی تسکین کے لیے یہاں دو سینما ہاؤس موجود ہیں۔ نہ صرف اورنگی کے باسی بلکہ یہاں آنے والے دیگر افراد بھی تفریح کی خاطر اورنگی کے قرب و جوار میں واقع پہاڑوں پر جاتے ہیں اور ان پہاڑوں کے نشیب و فراز اور بلندی سے نظر آنے والے نظاروں کو اپنے کیمرے میں مقید کر لیتے ہیں۔ پہاڑوں پر واقع جنگل میں طرح طرح کے پرندے، نیولے اور دیگر حشرات الارض کا بسیرا ہے۔ سیکٹر نمبر ۱۳ ارگبول کالونی کی پہاڑیوں پر سے رات کو شہر کراچی کا منظر قابلِ دید ہوتا ہے۔ ان پہاڑوں کی بلندی پر رہائش پذیر لوگ اپنے گھروں کے صحن میں کھڑے ہو کر دور ہی سے مزارِ قائد کا نظارہ کر لیتے ہیں۔

اورنگی میں زندگی کے تمام رنگ موجود ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں بولی جانے والی تمام زبانوں کے افراد یہاں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں انواع و اقسام رسوم و رواج دیکھنے میں آتی ہیں۔

یہاں کی خوبصورت عمارتوں میں امیر قطر کی بنوائی ہوئی قطر اسپتال کی عمارت اور مسجد ہے۔ یہی وہ دلکش مسجد ہے جسے کراچی ٹی وی سینٹر سے بوقتِ اذانِ عشا ٹیلی کاسٹ کیا جاتا ہے۔ یہاں بہت سی جامع مسجدیں ہیں۔ علاوہ ازیں ایک چرچ بھی ہے۔

یہاں بے شمار چھوٹی چھوٹی گھریلو صنعتیں قائم ہیں۔ جہاں ہاتھ سے بُنے ہوئے دیدہ زیب قالین، نفیس بنارسی ساڑھیاں، جیکٹس، ٹوپیاں، چمڑے کے بیگ، حسین سینڈلیں، پائیدار جوتے، کھلونے، گارمنٹس اور دیگر بے شمار چھوٹی بڑی مصنوعات تیار کی جاتی ہیں۔ یہاں کے بُنے ہوئے قالین، کیپس اور جیکٹس کی بالخصوص یورپی ممالک میں بڑی مانگ ہے۔

یہاں بے شمار پرائمری و سیکنڈری اسکول ہیں۔ رقبے کے اعتبار سے سب سے بڑا اسکول "جرمنی اسکول" ہے۔

جو سیکٹر نمبر ۱۶ میں واقع ہے۔ بنارس چوک کے قریب منگھوپیر روڈ پر لڑکوں کا ایک ڈگری کالج "گورنمنٹ عبدالحامد بدایونی کالج" کے نام سے قائم ہے۔ تحریکِ پاکستان کے نامور رہنما مولانا عبدالحامد بدایونی اسی کالج کے احاطے میں مدفون ہیں۔ لڑکیوں کے لیے "اللہ والا گرلز کالج" سیکٹر نمبر ۸ ، اور ساڑھے آٹھ کے درمیان زیرِ تعمیر ہے۔ جس کی رسم سنگِ بنیاد وزیرِاعظم محمد خان جونیجو نے ادا کی تھی۔ علاوہ ازیں یہاں ایک پرائیویٹ کالج "الحرا انٹر کالج" بھی موجود ہے۔ اورنگی میں رہائش پذیر لڑکیاں کراچی شہر کے دور و نزدیک کے تمام کالجز میں زیرِ تعلیم ہیں۔

یہاں کے بڑے بازاروں میں بنگلہ بازار، پاکستان بازار اور علی گڑھ بازار شامل ہے۔ اورنگی میں بننے والی بھاشانی کی لذیذ مٹھائیاں بہت مشہور ہیں۔ لوگ جب یہاں اپنے عزیزوں سے ملنے آتے ہیں تو بطورِ سوغات "بھاشانی کی مٹھائیاں" اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

اورنگی کی اس دس لاکھ کی آبادی میں بہت سے مسائل موجود ہیں۔ جن میں سب سے بڑا مسئلہ ذرائع آمدورفت کی قلت کا ہے۔ یہ مسئلہ اورنگی میں عرصۂ دراز سے موجود ہے۔ مگر کسی نے اس جانب توجہ نہیں دی۔

بوڑھا کچھوا

نیویارک کے چڑیا گھر میں ایک بہت بڑا کچھوا ہے۔ جس کی عمر دو سو سال ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کچھوا نپولین کا پالتو تھا۔ اور اُس کی پیدائش کے دن سے آج تک زندہ ہے۔

(مرسلہ: عائشہ خالد، پی ای سی، ایچ ایس کراچی)

"کتّے"

جونہی ہم بنگلے کے دروازے میں داخل ہوئے، کتّے نے برآمدے ہی میں کھڑے کھڑے ایک ہلکی سی "بخ" کر دی اور پھر منہ بند کر کے کھڑا ہو گیا۔ ہم آگے بڑھے تو اس نے بھی چار قدم آگے بڑھ کر نازک اور پاکیزہ آواز میں "بخ" کر دی۔ چوکیداری کی چوکیداری، موسیقی کی موسیقی۔ ہمارے کتّے ہیں کہ نہ راگ نہ سُر، نہ سر نہ پیر، تان پر تان لگائے جاتے ہیں، بے تالے کہیں کے نہ موقع دیکھتے ہیں نہ وقت پہچانتے ہیں، گلے بازی کیے جاتے ہیں۔ گھمنڈ اس بات پر ہے کہ تان سین اسی ملک میں تو پیدا ہوا تھا۔ (از پطرس بخاری)

گلُ شیر علی سنی ـــــــ باڑہ گیٹ پشاور

قسط نمبر (۲)

دھماکہ

اظہر نیاز

اس بار جو دھماکہ ہوا تھا، وہ اتنا شدید تھا کہ اُس نے پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ذیشان کو ان دھماکوں نے پریشان کر رکھا تھا اور وہ سوچتا تھا کہ تخریب کار پکڑے کیوں نہیں جاتے؟ اس کے ابو آغا صاحب پولیس کے اعلیٰ افسر تھے اور پولیس اکیڈمی میں انسٹرکٹر کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ دھماکوں کے سلسلے میں دو تخریب کار گرفتار کیے گئے مگر ان کی رہائی کے لیے سفارشیں آنے لگیں۔ ذیشان اپنے ابو کے ساتھ انھیں دیکھنے گیا۔ اُن میں سے ایک بلی آنکھوں والا اور دوسرا عام سا آدمی تھا۔ اُن دونوں کو بالآخر انسپکٹر احمد نے رہا کر دیا۔ شام کو ذیشان اپنی سائیکل پر جا رہا تھا کہ اُسے بلی آنکھوں والا کار سے اُترکر جاتا نظر آیا۔ اس نے گاڑی کا نمبر نوٹ کیا اور اُس کا پیچھا کرنے لگا۔ وہ شخص ایک اسٹور سے "بلیک مین" پرفیوم خرید کر گاڑی میں چلا گیا۔ ذیشان واپس گھر چلا۔ راستے میں اُس کی سائیکل ایک موٹر سائیکل سے ٹکرا گئی، جس سے وہ دونوں گر گئے۔ گھر پہنچ کر ذیشان کو پتہ چلا کہ اُس کی جیب میں ڈائری نہیں ہے۔ یکایک اُسے خیال آیا کہ اُس کی سائیکل سے ٹکرانے والا آدمی وہی تھا، جسے اُس نے بلی آنکھوں والے کے ساتھ دیکھا تھا! (اب آگے ملاحظہ کیجئے)

دوسرے دن صبح مالی بابا نے آکر ذیشان کو اس کی ڈائری دی۔ تو ذیشان نے بڑی حیرت سے مالی بابا کو دیکھا۔

"بابا! آپ کو یہ ڈائری کہاں سے ملی ہے" ذیشان نے پوچھا۔

"میں گیٹ کے پاس پھولوں کو پانی دے رہا تھا کہ ابھی ابھی ایک آدمی یہ ڈائری دے گیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اُسے یہ رستے میں پڑی ملی تھی اور چونکہ اس پر ذیشان بابو کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس لیے وہ یہاں چلا آیا۔"

مالی بابا نے ایک ہی سانس میں سارا واقعہ بیان کر دیا۔

"آپ نے اُسے روکا نہیں"۔ ذیشان نے پوچھا۔
"نہیں! میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور وہ چلا گیا"۔
"اور کوئی بات اس نے پوچھی؟" ذیشان نے کریدا۔
"نہیں کوئی خاص بات تو نہیں پوچھی۔ بس پہلے اُس نے صاحب کا پوچھا تو میں نے جواب دیا کہ صاحب تو باہر گئے ہیں اور بیگم صاحبہ گھر پر ہیں اور ذیشان بابو بھی گھر پر ہیں۔ تو اُس نے مجھے ڈائری دیتے ہوئے کہا کہ اچھا یہ ڈائری ذیشان بابو کو دے دینا"۔
"اچھا بابا یہ بتاؤ کہ وہ آدمی کیسا تھا۔ اس کا حُلیہ کیسا تھا؟"
"میں نے کوئی خاص غور نہیں کیا لیکن ایک بات ہے"۔ مالی بابا نے کہا: "وہ آدمی آنکھیں بہت جھپکاتا تھا۔ اور قد ذرا چھوٹا تھا۔ پتلون قمیض پہنی ہوئی تھی اور گلے میں سُرخ رنگ کا لمبا مفلر تھا"۔
"ٹھیک ہے"۔ ذیشان نے کہا اور فوراً اپنی سائیکل اُٹھا کر باہر نکل گیا۔
"ذیشان بابو آپ کہاں جا رہے ہیں؟" مالی بابا نے آواز دی لیکن ذیشان کوئی جواب دیئے بغیر باہر نکل گیا۔
ذیشان کا خیال تھا کہ اگر وہ آدمی پیدل ہی تھا تو زیادہ دُور نہیں گیا ہوگا شاید یہ آدمی تخریب کاروں کا ساتھی ہو۔ ذیشان کو آج کل ہر آدمی تخریب کاروں کا ساتھی لگ رہا تھا۔ وہ تو ڈائری مالی بابا کے ہاتھ میں دیکھ کر ایک لمحے کے لیے بابا کو بھی تخریب کاروں کا ساتھی سمجھنے لگا تھا۔
دو تین چکر اُس نے اِدھر اُدھر کی گلیوں کے لگائے اور پھر بڑی سڑک پر نکل آیا۔ اُسے وہ آدمی کہیں نظر نہیں آیا تھا لیکن وہ ہے یہیں کہیں ذیشان ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ وہ آدمی اُسے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ وہ ایک گلی سے نکل کر بڑی سڑک پر آ رہا تھا اور اب وہ سیدھا اسی طرف آ رہا تھا۔ ذیشان کو اس بات کی توقّع نہیں تھی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ بھاگ جائے، لیکن اُسے لگا کہ جیسے اس کے پاؤں زمین نے پکڑ لیے ہیں اور وہ بھاگ نہیں سکتا۔ آخر وہ دل مضبوط کر کے کھڑا رہا۔ وہ آدمی ذیشان کے پاس آ کر رُک گیا۔
"تمھارا نام ذیشان ہے"؟ آدمی نے پوچھا۔
"ڈائری میں میری فوٹو تو نہیں لگی ہوئی تھی"؟ ذیشان نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ لیکن وہ شخص قطعی سنجیدہ رہا۔
"تم آغا صاحب کے بیٹے ہو!" اس نے ایک لمحے بعد پوچھا۔
"جی۔ آغا صاحب میرے ڈیڈی ہیں"۔
"مجھے ہی تمھاری ڈائری ملی تھی۔ چونکہ پتہ اس پر لکھا ہوا تھا میں نے سوچا چلو واپس کر دوں، میں یہاں قریب

ہی رہتا ہوں۔ میں نے اکثر تمھیں دیکھا ہے۔ ڈائری میں فوٹو نہ ہونے کے باوجود میں نے اسی لیے تمھیں پہچان لیا۔"

"بہت بہت شکریہ!" ذیشان نے کہا اور چلنے کے لیے سائیکل کے پیڈل پر پاؤں رکھا لیکن اس آدمی نے ہینڈل پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ایسی بھی کیا جلدی ہے تمھارا گھر تو قریب ہی ہے چلے جانا۔ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، میں تمھیں اپنا دوست بنانا چاہتا ہوں!"

"جی۔ آپ میرے گھر آجائیے گا۔ میرے ڈیڈی آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔"

ذیشان کو پریشانی ہو رہی تھی، کیونکہ اُس نے خطرے کی بُو سونگھ لی تھی اور وہ جلد از جلد اس صورتِ حال سے نکل جانا چاہتا تھا۔ وہ تو گھر سے کچھ اور سوچ کر نکلا اور نئی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔

"آپ کے ڈیڈی بڑے افسر ہیں۔ شاید وہ میرا گھر میں آنا پسند نہ کریں۔" اس آدمی نے ذیشان سے کہا۔

"میرا گھر قریب ہی ہے۔ اگر تم چلو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ میرا چھوٹا بھائی تمھاری ہی عمر کا ہے وہ تمھارے ساتھ کھیل کر بہت خوش ہوگا۔"

"میں پھر کسی دن آؤں گا ابھی مجھے کام ہے۔" ذیشان نے کہا، لیکن اُس آدمی کی گرفت سائیکل پر مضبوط ہوگئی۔

"آپ میرے سائیکل کا ہینڈل کیوں نہیں چھوڑتے۔" ذیشان نے آخر تنگ آکر غصے سے کہا۔

"لیجیے چھوڑ دیا۔" اس آدمی نے مسکراتے ہوئے کہا اور اُس نے واقعی ہینڈل سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ غالباً وہ صرف وقت ضائع کر رہا تھا اور اپنے ساتھیوں کا منتظر تھا۔ دوسرے ہی لمحے ایک سُرخ جیپ ان کے پاس آکر رُکی اور اس سے پہلے کہ ذیشان شور مچاتا یا بھاگ جاتا اس میں سے دو آدمیوں نے اُتر کر ذیشان کو قابو کیا۔ اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور اُٹھا کر جیپ میں ڈال دیا اسے "بلیک مین" خوشبو کا جھونکا آیا اور وہ بے ہوش ہوگیا۔

● آغا صاحب کو دفتر ہی میں گھر سے ٹیلی فون موصول ہوگیا تھا کہ ذیشان صُبح سے غائب ہے۔ اپنی سائیکل پر گھر سے نکلا تھا دوپہر کے کھانے پر نہیں آیا اور اس کا کوئی پتہ نہیں۔ آغا صاحب ٹیلی فون سُنتے ہی گھر پہنچے۔ ذیشان کی امّی سے تفصیل پوچھی انھیں تو کسی بات کا علم نہ تھا گھر کے تمام ملازموں کو اکٹھا کیا۔ کسی کو کچھ خبر نہ تھی صرف مالی بابا نے ڈرتے ڈرتے بتایا "اس طرف ایک آدمی آیا تھا۔ اس نے ذیشان بابو کی گمشدہ ڈائری دی اور چلا گیا۔ ذیشان بابو میرا خیال ہے، اسی کے پیچھے گئے تھے۔ کیونکہ وہ مجھ سے اُس آدمی کا پوچھنے کے فوراً بعد گھر سے نکل گئے۔"

آغا صاحب نے ذیشان کے گُم ہونے کی رپورٹ تو گھر سے ٹیلی فون ہی پر تھانے میں درج کرادی تھی اور پولیس نے رپورٹ درج کرکے تلاش شروع کردی تھی۔ محکمۂ پولیس میں آغا صاحب کا بے پناہ احترام کیا جاتا تھا اور موجودہ حالات

میں ان کے بیٹے کی گمشدگی معمولی واقعہ نہ تھا۔

خفیہ پولیس کے افسران اور بھی پریشان تھے کہ چند ہی روز میں تخریب کاروں کی سرکوبی کے لیے اعلیٰ سطح پر فیصلہ کیا گیا تھا کہ اس مشن کی نگرانی بھی آغا صاحب کریں گے اور آج ہی آغا صاحب کے گھر میں ان کا ایک اہم خفیہ اجلاس ہونے والا تھا۔

ذیشان کے اغوا ہو جانے کی وجہ سے ان کی ساری منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ گئی تھی اور وہ سب ذیشان کی تلاش میں لگ گئے تھے جبکہ آغا صاحب کی طرف سے انھیں پیغام موصول ہو گیا تھا کہ میٹنگ اپنے وقت پر ہوگی۔ اور یہ اہم خفیہ میٹنگ کسی حالت میں بھی ملتوی نہیں ہوگی۔

پولیس نے شہر کا کونہ کونہ چھان مارا مختلف بدنام اڈوں پر چھاپے مارے گئے لیکن ذیشان کا کوئی پتہ نہ تھا۔ آغا صاحب پریشان تھے اور ذیشان کی امی کا تو رو رو کر بُرا حال تھا اور آغا صاحب انھیں تسلی دے رہے تھے۔ لیکن ذیشان کی امی مسلسل روئے جا رہی تھیں اور ہر ٹیلی فون کی گھنٹی پر سوچتیں کہ یہ اطلاع ذیشان کے ملنے کی ہوگی۔ پولیس کی طرف سے تمام ٹیلی فون ناکامی کا پیغام لائے۔ آغا صاحب اور ان کی بیگم ٹیلی فون کے پاس ہی بیٹھے تھے اور مختلف ممکنات پر غور کر رہے تھے کہ ذیشان کہاں ہو سکتا ہے۔ کیا وہ واقعی اغوا کر لیا گیا ہے اور اگر اغوا کر لیا گیا ہے تو کون ہیں اغوا کرنے والے؟

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور آغا صاحب نے فوراً ریسیور اُٹھالیا اور پھر فوراً ریسیور رکھ کر گھر کے بڑے گیٹ کی طرف بھاگے، گیٹ کے ساتھ ذیشان کی سائیکل کھڑی تھی۔ آغا صاحب نے باہر جا کر اِدھر اُدھر دیکھا لیکن کسی شخص کا دُور دُور تک کوئی پتہ نہ تھا۔

مالی بابا نے فوراً آ کر سائیکل لے جانی چاہی لیکن آغا صاحب نے منع کر دیا کہ سائیکل کو ہاتھ نہ لگایا جائے اور فوراً ٹیلی فون کر کے سائیکل کو پولیس کے حوالے کر دیا اور حکم دیا اس پر لگے ہوئے ہر قسم کے نشانات کی رپورٹ انھیں جلد بھیجی جائے اور سائیکل پر لگے ہاتھوں کے نشانوں کی روشنی میں مجرموں تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

اب آغا صاحب کو یقین ہو گیا تھا کہ ذیشان کو تخریب کاروں نے ہی اغوا کیا ہے۔ کیوں کہ انھیں علم ہو گیا ہے کہ ان کی سرکوبی کا خاص مشن ان کے سپرد کیا گیا ہے۔ آغا صاحب کے لیے یہ دوہری پریشانی تھی کہ مجرم باخبر ہیں اور بند کمروں کے سرکاری فیصلے بھی اُن تک پہنچ جاتے ہیں۔

آغا صاحب کے گھر میں خفیہ میٹنگ جاری تھی کہ ذیشان کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہوا۔ چوکیدار اور خفیہ پولیس کے دو تین آدمی جو اِدھر اُدھر موجود تھے فوراً اس کے پاس آ گئے۔ گیٹ پر سے ہی وائرلیس پر آغا صاحب کو

اطلاع کردی گئی اور پھر دوسرے ہی لمحے ذیشان کو خفیہ میٹنگ کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ آغا صاحب نے اُٹھ کر اپنے بیٹے کو سینے سے لگایا اور پولیس کے مختلف افسران ذیشان سے مختلف سوالات کرنے لگے۔

"کیا ہوا تھا؟ کیسے ہوا؟ کون لوگ تمھیں پکڑ کر لے گئے تھے؟ ان کے حلیے کیا تھے؟ وہ کیسی جگہ تھی؟ اس کا حدود اربعہ؟ اندازاً یہاں سے اُس جگہ کا فاصلہ؟ اور پھر تم یہاں کیسے پہنچے" ؟ وغیرہ وغیرہ۔

ذیشان نے الف سے یے تک پوری کہانی سُنا دی کہ انھوں نے گاڑی میں ڈالتے ہی کوئی چیز سُنگھا کر اُسے بے ہوش کر دیا۔ اس لیے اُسے راستوں کے متعلق قطعی پتہ نہیں چل سکا۔ اُسے جب ہوش آیا تو وہ ایک شاندار بیڈ روم میں تھا۔ وہ کوٹھی نہیں کوئی محل تھا ایک بات جو خاص طور پر ذیشان نے بتائی وہ یہ تھی کہ اس کوٹھی میں چیزیں بہت تھیں۔ ڈیکوریشن کا بہت زیادہ سامان تھا۔ اور بے سلیقہ رکھا ہوا تھا۔ کوئی چیز پاکستانی نہ تھی۔ تمام کا تمام سامان اسمگلنگ کا لگتا تھا۔ وائرلیس، ٹیلیفون سسٹم موجود تھا۔ جس پر وہ کسی نامعلوم زبان میں کسی سے گفتگو کرتے تھے۔ ذیشان کے سامنے کوئی اردو یا انگریزی میں بات نہ کرتا تھا۔ جہاں تک ان لوگوں کے حُلیے کا تعلق ہے تو ان سب نے میک اپ کیا ہوا تھا یا ان کے چہروں پر ماسک تھا۔ اس طرح لگتا تھا کہ تین چار مختلف ممالک کے لوگ ہیں۔ لیکن سب میں ایک بات مشترک تھی کہ سب کے پاس کلاشنکوف تھیں ایک ہی قسم کی بالکل نئی بندوقیں۔ کچھ لوگوں کے بال کالے اور کچھ کے بھورے تھے کچھ کلین شیو تھے اور کچھ بڑی داڑھی اور بڑی بڑی مونچھوں والے جیسے ڈاکو ہوں، سر پر انھوں نے بڑے بڑے پگڑ باندھ رکھے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ سب میک اپ میں ہیں۔ ممکن ہے اُن میں پاکستانی یا کسی دوسرے ملک کے بھی ہوں لیکن انھوں نے اپنا حُلیہ افغانیوں جیسا بنا رکھا تھا۔ انھوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی جب میں ہوش میں آیا تو انھوں نے ایک گلاس پانی پینے کو دیا تھا۔ پھر کمرے ہی میں میری آنکھیں بند کر کے انھوں نے مجھے ایک جیپ میں بٹھایا اور گھر سے کافی دُور مجھے اُتار دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ میرے گھر کے گرد خفیہ پولیس موجود ہے" آغا صاحب نے دوسرے افسروں سے مخاطب ہو کر کہا تو ایک افسر نے ذیشان سے پوچھا۔

"تمھارا کیا اندازہ ہے کہ کوٹھی سے یہاں تک پہنچنے میں کتنی دیر لگی ہوگی"؟

"میرا خیال ہے" ذیشان نے جواب دیا "آدھا گھنٹہ"

"کیا جیپ بہت تیز چل رہی تھی"؟

"نہیں گاڑی کی رفتار زیادہ نہیں تھی لیکن ایسا لگا کہ موڑ بہت زیادہ ہیں"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ جان بوجھ کر موڑ کاٹ رہے ہوں تاکہ ذیشان اندازہ نہ کر سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے

کہ وہ آدھ گھنٹہ کی ڈرائیو پر نہیں بلکہ اس سے کہیں کم فاصلے پر موجود ہیں ہمارے بہت قریب۔" آغا صاحب نے انسپکٹر احمد کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

ذیشان نے کچھ باتیں اپنے طور پر مشاہدہ کی تھیں اور کوٹھی کے بارے میں پتہ چلانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن جان بوجھ کر وہ باتیں ان سے چھپالیں تاکہ وہ اپنے طور پر اس کوٹھی کا دوبارہ پتہ لگانے کی کوشش کرے۔ اس کا خیال تھا کہ اگر پولیس نے اس کوٹھی کا پتہ لگالیا تو تخریب کار بھاگ جائیں گے اور پولیس کچھ نہ کرسکے گی۔

اس کے ساتھ ہی ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور آغا صاحب نے فوراً فون اُٹھا لیا اور ساتھ ہی آغا صاحب نے ایک بٹن دبا دیا جس سے دونوں طرف کی گفتگو تمام لوگ سننے لگے اور ٹیلیفون ریکارڈ بھی ہونے لگا۔

"مسٹر آغا! ذیشان اس وقت تک پوری رپورٹ دے چکا ہوگا۔ اگر ہم چاہتے تو ذیشان کو اپنے پاس رکھ کر آپ کو بلیک میل کرسکتے تھے لیکن آپ کو صرف یہ بتانا تھا کہ ہم یہ بھی کرسکتے ہیں۔ ہم کوئی تھرڈ کلاس بلیک میلر یا اسمگلر نہیں، ہم وہ ہیں جن سے بڑی بڑی حکومتیں لرزتی ہیں۔ اگر آپ اپنے بیٹے کی اور خاندان کی خیریت چاہتے ہیں تو ہمارے راستے سے ہٹ جائیں۔ ہم اپنے مقاصد کے راستے میں آنے والے انسانوں کو کُتّے بلّیوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔" اچانک سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اور آغا صاحب ہیلو ہیلو کرتے رہ گئے۔۔۔ (باقی آئندہ)

آپ اپنے دام میں صیّاد آگیا

کسی جنگل کے قریب ایک شکاری رہتا تھا۔ وہ بانس کے ذریعے مختلف جانوروں کی آوازوں کی نقل آسانی سے کرلیتا تھا۔ وہ جنگل میں آکر ہرن کی آواز نکالتا تو ہرن دھوکے میں آکر پہاڑی پناہ گاہوں سے نکل آتے اور وہ انہیں شکار کرلیتا۔

ایک دن شکاری ہرن کی آواز نکال رہا تھا کہ ایک بھیڑیا آگیا۔ شکاری بھیڑیئے کو دیکھ کر ڈر گیا۔ اور بانس سے شیر کی آواز نکالی اب بھیڑیا تو بھاگ گیا لیکن شیر نمودار ہوگیا۔ شکاری نے ریچھ کی آواز نکالی تو شیر وہاں سے بھاگ نکلا، لیکن اپنے ہم جنس کی آواز سن کر ریچھ نکل آیا اور ریچھ شکاری کو چیر پھاڑ کر کھا گیا۔

مرسلہ: منوّر سلطانہ ———— کراچی

قرآنِ کریم کا معجزہ

"قرآنِ کریم" کی ایک چھوٹی سی آیت نے مجھے عیسائی سے مسلمان بنادیا۔ ایک فرانسیسی ڈاکٹر سمندری جہاز میں سفر کررہا تھا۔ اچانک مصر کے پاس اپنا سفر روک کر عالم کے پاس پہنچا اور مسلمان ہوگیا۔

یہ ڈاکٹر غرینیہ تھے جو پیرس کے ایک کامیاب طبیب ہونے کے علاوہ فرانسیسی حکومت کے رکن تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ حکومت سے الگ ہوگئے اور پیرس کو چھوڑ کر فرانس کے ایک چھوٹے گاؤں میں سکونت اختیار کرلی اور خدمتِ خلق میں مصروف ہوگئے

محمود بے مصری نے ان سے ان کے مکان پر مل کر ان کے اسلام قبول کرنے کا سبب دریافت کیا۔

"قرآن کی ایک آیت" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"کیا آپ نے کسی مسلمان عالم سے قرآن پڑھا ہے"؟ نہیں میری اب تک کسی مسلمان عالم سے ملاقات نہیں ہوئی۔

"پھر یہ واقعہ کیونکر پیش آیا"؟

ڈاکٹر غرینیہ نے جواب دیا۔ "مجھے اکثر سمندری سفروں میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میری زندگی کا بڑا حصّہ پانی اور آسمان کے درمیان بسر ہوا ہے۔ اسی طرح ایک سفر میں ایک بار مجھے قرآن کا فرانسیسی ترجمہ ملا۔ یہ "موسیو قاری" کا ترجمہ تھا۔ میں نے اسے کھولا تو "سورۂ نور" کی ایک آیت سامنے تھی جس میں ایک سمندری نظارے کی کیفیت بیان کی گئی "اَوْ کَظُلُمٰتٍ ... فَمَالَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (نور ۴۰)" جیسے اندھیرا گہرے سمندر میں اس کو ڈھانپ لیا ہو موج نے۔ لہر اور پر لہر۔ اس کے اوپر بادل۔ اندھیرے پر اندھیرا اس حالت میں ایک شخص اپنا ہاتھ نکالے تو توقع نہیں کہ وہ اس کو دیکھ سکے اور جس کو خدا نور نہ دے اس کے لئے کوئی روشنی نہیں"

میں نے اس آیت کو نہایت دلچسپی سے پڑھا جس میں سمندری نظارے کی کیفیت بیان کی گئی تھی۔ جب میں نے آیت پڑھی تو میرا دل تمثیل کی عمدگی اور اندازِ بیاں کی واقعیت سے بے حد متاثر ہوا۔ میں نے خیال کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ایک ایسے شخص ہوں گے جن کے رات اور دن میری طرح سمندری سفروں میں گزرے ہوں گے۔ پھر بھی مجھے حیرت تھی کہ انہوں نے گمراہیوں کی آوارگی اور ان کی جدوجہد کی بے حاصلی کو کیسے مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے گویا کہ وہ خود رات کی سیاہی، بادلوں کی تاریکی اور موجوں کے طوفان میں ایک جہاز پر کھڑے ہیں اور ایک ڈوبتے

ہوئے شخص کی بدحواسی کو دیکھ رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ سمندری خطرات کا کوئی بڑے سے بڑا ماہر بھی اتنے کم الفاظ میں اتنے کامیاب طور پر خطراتِ بحر کی تصویر کشی نہیں کر سکتا۔

لیکن اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مجھے معلوم ہوا کہ محمدؐ عربی نے کبھی زندگی بھر میں سمندر کا سفر نہیں کیا۔ اس انکشاف کے بعد میرا دل روشن ہوگیا۔ میں نے سمجھا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہیں ہے بلکہ اس خدا کی آواز ہے جو رات کی تاریکی میں ہر ڈوبنے والے کی بے حاصلی کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اس کے بعد میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

مرسلہ نجمہ نور، لطیف آباد، حیدر آباد

پیغمبری کا دعویٰ

ایک مرتبہ خلیفہ مہدی شکار کی غرض سے سفر کرتے ہوئے ایک بوڑھے اعرابی کے خیمے پر جا پہنچے۔ انہوں نے بوڑھے آدمی سے پوچھا: "آپ مجھے کسی گاؤں کے رہنے والے معلوم ہوتے ہیں؟" اعرابی نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے انہیں کھانے کو ایک روٹی اور دودھ کا ایک پیالہ دیا۔

تھوڑی دیر بعد خلیفہ نے پوچھا: "تمہیں معلوم ہے میں کون ہوں؟" اعرابی نے نفی میں... سر ہلایا۔ خلیفہ نے کہا "میں امیر المومنین کا خادمِ خاص ہوں۔" اعرابی نے دُعا دی کہ خدا تمہارا نصیب بلند کرے اور انہیں دودھ کا ایک پیالہ اور پیش کیا۔ خلیفہ نے پیالہ خالی کرنے کے بعد پھر سوال کیا "چچا، تم جانتے ہو، میں کون ہوں؟"

اعرابی نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہاں، آپ خلیفہ کے خاص آدمی ہیں!"

خلیفہ نے کہا۔ "نہیں میں اس کا سپہ سالار ہوں"۔ اعرابی نے ایک اور دودھ کا پیالہ پیش کیا اور اسے دُعا دی۔

خلیفہ نے تیسری مرتبہ پھر وہی سوال دُہرایا۔ "چچا، تم جانتے ہو میں کون ہوں؟"

اعرابی نے بتایا۔ "آپ سپہ سالار ہیں"۔

خلیفہ نے کہا "نہیں چچا جان میں ہی خلیفہ ہوں"۔

اعرابی نے یہ سنتے ہی خلیفہ کے ہاتھ سے پیالہ چھین لیا اور کہا۔ "تم نے تھوڑا سا دودھ اور پی لیا تو پیغمبری کا دعویٰ کرنے لگو گے"۔

محمد ناصر بلوچ
اوکاڑہ

ایم آصف

نیچارہ پھل

بارش کے بعد موسم ہمیشہ خوشگوار ہوجاتا ہے پتّے نکھر جاتے ہیں موسم کی آلودگی ختم ہوجاتی ہے
ماحول خوشگوار ہوجاتا ہے مجھے بارش کے بعد کا موسم ہمیشہ سے ہی بہت پسند رہا ہے اور میں ایسے وقت
ہمیشہ سیر و تفریح کو پسند کرتا ہوں ۔ میں تیّار ہو کر تفریح کے لیے جا رہا تھا کہ امی کی آواز آئی "حامد...
کہاں جارہے ہو...؟

"کہیں نہیں امی۔ بس ایسے ہی ذرا باہر جا رہا ہوں"

"تھوڑے سے پھل لیتے آنا۔ کچھ مہمان آنے والے ہیں" امیّ نے پیسے دیتے ہوئے کہا۔

"کون سا پھل...؟" میں اُلجھ کر بولا، کیونکہ امیّ کی عادت ہے، جب کوئی پھل یا سبزی منگواتی ہیں

نام نہیں بتاتیں۔ بس یہی کہتی ہیں، اچھا سا پھل یا سبزی لے آؤ۔

"کون سا پھل امی ۔۔؟" میں نے دوبارہ پوچھا۔

"جو تمھاری سمجھ میں آئے لے آنا۔ بس اچھا سا پھل ہو"۔

"آم لے آؤں ۔۔۔؟" میں نے پوچھا۔

"آم!۔۔۔ نہیں آم مت لانا"۔

"اچھا پھر سیب لے آتا ہوں"۔ میں سوچ کر بولا۔

"حامد!۔۔۔ تمھیں ہر وقت سیب ہی کیوں یاد آتے ہیں۔ جب بھی میں کوئی پھل منگواتی ہوں، تم ہمیشہ سیب لے آتے ہو۔ جاؤ، کوئی اچھا سا پھل لے آؤ"۔ امی نے اپنی آواز بلند کرتے ہوئے کہا۔

بارش کو ختم ہوئے چھ گھنٹے سے زائد ہو چکے تھے لیکن سڑک پر ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ حالانکہ علاقہ اچھا تھا، صفائی کا بھی انتظام تھا لیکن بارش بھی تو خوب ہوئی تھی۔ میں پانی سے بچ بچا کر بازار کی طرف چلا۔ سوچا، پہلے پھل خرید کر امی کو دے آؤں پھر تفریح کروں گا۔ آموں کا موسم تھا ہر طرف چھوٹے بڑے، سرخ اور پیلے آم بکھرے پڑے تھے۔ میں ایک پھل والے کے پاس گیا اور کہا "پھل والے! کوئی اچھا سا پھل دینا"۔

"آم دے دوں ۔۔۔ بابو جی؟"

"نہیں ۔۔۔"

"سیب دوں ۔۔۔"

"نہیں ۔۔۔" میں نے دوبارہ گردن کو نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

"جاؤ صاحب جاؤ۔۔۔ گھر سے سوچ کر آیا کرو کہ کون سا پھل خریدنا ہے"۔ پھل والا چڑ کر بولا۔

میں پھل والے کو دل ہی دل میں کوسنے دیتا ہوا آگے بڑھا۔ ہر پھل والے کے پاس کافی بھیڑ تھی، لیکن دُور ایک پھل والا اکیلا بیٹھا تھا۔ اس کے پاس کوئی گاہک نہیں تھا۔ وہ زور زور سے آوازیں لگا رہا تھا۔ چونکہ میں دُور تھا اس لیے آواز صاف سُنائی نہیں دے رہی تھی۔ جب میں آگے بڑھا تو پھل والے کی آواز سُنائی دی "پھل لے لو۔۔۔ محنت کے پھل لے لو"۔

میں حیرانی سے آگے بڑھا۔ کیا خوبصورت پھل تھے۔ میں اشتیاق سے مزید آگے بڑھا تو ایک بھینی سی دلفریب خوشبو ناک کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ میں نے اپنی رفتار تیز کر دی اور بے اختیار آگے بڑھتا چلا گیا۔

"کون سا پھل ہے ۔۔۔؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔
"محنت کا پھل" پھل والے نے ایک پھل میری جانب بڑھایا۔ پھل کا وزن خاصا تھا۔ قریب سے پھل اور زیادہ خوبصورت نظر آئے اس لیے میرا دل بے اختیار چاہا کہ اسے فوراً کھا لوں۔ میں نے پوچھا "کیا یہ پھل میٹھے ہوتے ہیں ۔۔۔؟"
"بہت میٹھے"۔ پھل والا بولا۔
"کیا آپ نے کبھی کھایا ہے، اس کو ۔۔۔؟" میں نے پھل واپس رکھتے ہوئے پوچھا۔
"نہیں ۔۔۔!" پھل والا مایوسی سے بولا۔
"کیوں ۔۔۔؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔
"میری صحت دیکھتے ہو، کیا یہ جسم محنت کرنے کے قابل ہے جو میں محنت کا پھل کھاؤں گا۔ بابا۔۔! ہم تو صرف منافع کا پھل کھاتے ہیں"۔ پھل والے نے اپنی توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
"اچھا اس کو کھایا کس طرح جاتا ہے؟" میں نے پھل کو جب ٹٹولا تو وہ سخت تھا، اس وجہ سے میں نے پوچھا۔
"بابا ۔۔۔ ہم سے کیا پوچھتے ہو ہم نے کبھی محنت کا پھل کھایا ہی نہیں۔ تم کو بتایا نا، ہم صرف منافع کا پھل کھاتا ہے۔ خریدنا ہے تو خریدو۔ ورنہ جاؤ"۔ پھل والا بگڑنے لگا۔
"اچھا ۔۔۔ ایک کلو دینا"۔ میں جیب ٹٹولتا ہوا بولا۔
"بیوقوف! یہ محنت کا پھل ہے یہ کلو کے حساب سے نہیں بکتا"۔
"پھر میں کیسے خریدوں"؟ میں نے حیرانی سے کہا۔

"لاؤ، تمھارے پاس کتنا پیسہ ہے۔ ہم کو دو، ہم تم کو پھل دے گا"۔
میں نے اسے کچھ روپے دیئے۔ اُس نے مجھے دو پھل اُٹھا کر دیے اور کچھ روپے واپس کر دیے۔ میں نے اس سے کہا "سب پیسوں کا پھل دو"۔
کہنے لگا "یہی بہت ہے ۔۔۔ اس کو کوئی پسند نہیں کرتا حالانکہ یہ پھل سب سے اچھا پھل ہے۔ اسے بیمار بھی کھا سکتا ہے اور صحت مند بھی۔ غرض کہ بچّے، بوڑھے سبھی اسے کھا سکتے ہیں۔ لیکن کوئی اس کو کھانا پسند نہیں کرتا۔ اس وجہ سے میری دکان میں بھیڑ بھی نہیں ہے دیکھو باقی دکانوں میں کیسا مجمع ہے"۔
میں نے دل میں سوچا، پھل والا خواہ مخواہ باتیں بنا رہا ہے۔ اگر یہ پھل اچھا ہے تو اسے ہر کوئی کھائے گا۔

میں پھل لے کر واپس گھر کی طرف چلا ۔ امی نے مُجھ سے کہا تھا' اچھّا پھل لانا اور بھلا اس سے اچھا کون سا پھل ہو سکتا ہے۔ میں خوشی خوشی گھر آیا ۔

"بڑی دیر کر دی تم نے ۔۔۔" امی پتیلی کو چولہے پہ رکھتے ہوئے بولیں ۔

"امّی !۔۔۔ میں بہت اچھا پھل لایا ہوں ۔۔۔" میں نے مُسکرا کر کہا ۔

"کون سا ۔۔۔" امی نے اشتیاق سے پوچھا ۔

"محنت کا پھل" میں نے کہا ۔

"کیا ۔۔۔" امی کے منہ سے اتنا ہی نِکلا اور ان کے ہاتھ سے چمچہ گر پڑا ۔ جس سے شاید وہ بگھار لگانے والی تھیں ۔

"اسے کیوں اُٹھا لائے ۔۔۔" امی نے بوکھلا کر کہا ۔

"امی' آپ کے لیے لایا ہوں ۔۔۔ آپ محنت کا پھل کھائیں گی ۔"

"حامد ۔۔۔! ابھی پڑوسن تنگ کر کے گئی ہے ۔ اب تم آ گئے ۔ میں نے ساری زندگی آرام سے بیٹھ کر کام کیا ہے اب میری عمر ہے' محنت کرنے کی ۔ دیکھو ابھی پڑوسن آئی تھیں ان کے لڑکے کی شادی ہونے والی ہے مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ کیا کیا چیزیں جہیز میں مانگوں ۔ میں نے انھیں جہیز کے سارے سامان کی فہرست بنا کر دی ۔ اب تھک چکی ہوں ۔ لے جاؤ اس پھل کو" امی نے آہستہ سے کہا ۔

میں وہاں سے باجی کے پاس آیا ۔ باجی کو ابھی بی اے میں داخلہ ملا تھا ۔ میں نے باجی سے پوچھا "باجی ! ۔۔۔ پھل کھائیں گی ۔۔۔"

"کون سا پھل ہے ۔۔۔" باجی میگزین اٹھاتے ہوئے بولیں ۔

"محنت کا پھل" میں آرام سے بیٹھتا ہوا بولا ۔

یہ سُننا تھا کہ باجی دھم سے کرسی پر گر گئیں اور آہستہ سے کہا "حامد ۔۔۔ مجھے بڑی مشکلوں سے کالج میں داخلہ ملا ہے سفارش لگانی پڑی تھی ۔ لے جاؤ اس پھل کو ۔ میں نہیں کھا سکتی ۔ مجھے سفارش کے پھل کھانے کی عادت پڑ گئی ہے ۔" یہ کہہ کر باجی دوبارہ میگزین اُٹھا کر پڑھنے لگ گئیں ۔

میں حیران تھا کہ اس پھل کو کوئی کھاتا کیوں نہیں ۔ میں نے سوچا' چلو نادر سے پوچھ لوں کہ اس پھل کو آخر کس طرح کھایا جا سکتا ہے ۔ یہ سوچ کر میں نادر کے گھر کی طرف چل پڑا ۔ میں نے پھل کو کاغذ کے تھیلے میں رکھا تھا ۔ نادر تھیلے کو دیکھ کر بولا "اس میں کیا ہے حامد ۔۔۔"

"کچھ نہیں ۔۔۔" میں نے آہستہ سے کہا ۔

" کچھ تو ہے ۔۔۔؟" نادر گھورتا ہُوا بولا ۔

" پھل ہے ۔۔۔ کھاؤ گے ؟" میں نے نادر کی جانب پھل بڑھاتے ہوئے کہا۔

" کون سا پھل ہے ۔۔"؟ نادر ہونٹوں پہ زبان پھیرتے ہوئے بولا ۔

" محنت کا پھل "، میں نے پھل نادر کی جانب بڑھایا۔ دھپ سے نادر زمین پہ بیٹھ گیا اور ہانپنے لگا ۔

میں گھبرا گیا جلدی سے نادر کو اٹھایا " کیا ہوا نادر ۔۔۔؟"

" کچھ نہیں "۔۔ نادر نے زور سے سانس لیتے ہوئے کہا ۔

" پھل کھاؤ ، میرے دوست ! تمھارے امتحان بھی شروع ہونے والے ہیں "

" یار !۔۔۔ میں تو ہر امتحان میں مائیکرو کا پھل کھاتا ہوں ۔ اب کے بھی میں نے مائیکرو ابھی سے بنا کر رکھ لیا ہے ۔ مائیکرو کا پھل اچھا ہے ہر بار اچھے نمبروں سے کامیابی دِلا دیتا ہے "۔

میں پھل لے کر نادر کے کمرے سے نکلا سوچا، آنٹی کو سلام کر لوں ۔ دیکھا تو کمرے میں آنٹی کے بجائے سُمیرا باجی بستر پر نیم دراز تھیں ۔

" کیا ہُوا باجی "؟ میں نزدیک جا کر بولا ۔

" بیمار ہو گئی ہوں "، سُمیرا باجی نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا ۔

" باجی، میں آپ کے لیے پھل لایا ہوں "، میں نے تھیلے میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا ۔

" اچھا ہُوا، حامد ! جو تم پھل لے آئے ۔ نادر کو میں کہہ کہہ کر تھک گئی کہ میرے لیے کچھ پھل لے آؤ ۔ میں بیمار ہوں، لیکن وہ سُنتا ہی نہیں ۔ ویسے کون سا پھل لائے ہو؟" سُمیرا باجی تکیے کے سہارے بیٹھتے ہوئے بولیں ۔۔۔

" محنت کا پھل " میں نے پھل نکال کر دکھایا۔ پھل کو دیکھ کر سُمیرا باجی کے چہرے کا رنگ بدل گیا ۔ اور وہ بستر پر جلدی سے لیٹ گئیں ۔

" لیجیے باجی پھل "، میں نے سُمیرا باجی کو محبّت سے پھل دینا چاہا ۔

" حامد ! میں پھل نہیں کھاؤں گی ڈاکٹر نے منع کیا ہے "، باجی منہ بنا کر بولیں ۔

" ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں کہ آپ پھل کھائیں گی ۔۔۔ سچ سچ بتائیں، باجی ! کیا بات ہے ۔۔۔؟"

" میں کام نہ کرنے کی وجہ سے تو بیمار پڑی ہوں ۔ میں سُستی کا پھل کھاتی ہوں، لے جاؤ ، مجھ سے محنت کا پھل نہیں کھایا جائے گا "۔ یہ کہہ کر سُمیرا باجی نے چادر سے منہ ڈھانپ لیا ۔

میں وہاں سے گھر کی جانب چل پڑا سوچا، کس سے پوچھوں کہ محنت کا پھل کس طرح کھایا جاتا ہے؟
میں یہی سوچتا ہُوا جا رہا تھا کہ آواز آئی "حامد بھائی! ٹھہریئے" میں نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو ہمارے پڑوسی کا لڑکا میری جانب بھاگا آ رہا تھا۔
"کیا بات ہے پپّو۔۔۔؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔
"ابّو نے بلایا ہے۔۔۔" پپّو ہانپتا ہوا بولا۔
میں پپّو کے ساتھ ان کے گھر چلا آیا دیکھا تو پپّو کے ابّو کھڑے ہیں۔ پپّو کے والد محلّے کے تمام بچّوں سے بہت پیار کرتے ہیں اور ان سے بے تکلّف بھی ہیں۔
"کیا بات ہے انکل۔۔۔؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔
"بیٹے، میرے ساتھ ذرا بازار چلو" وہ خوشامدی لہجے میں بولے۔ ویسے بھی وہ لوگوں میں خوشامدی مشہور ہیں۔
"کیوں انکل۔۔۔؟" میں نے معلوم کرنا چاہا۔
"ذرا بازار سے سامان خریدنا ہے میرے لڑکے کی شادی ہو رہی ہے، تمھیں تو پتا ہے نا"
"جی" میرے منہ سے اتنا ہی نِکلا۔
"یہ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے؟" انکل نے پوچھا۔
"پھل ہیں۔ کیا کھائیں گے۔۔۔؟"
"کون سا پھل ہے۔۔۔؟" انھوں نے اشتیاق سے پوچھا۔
"محنت کا پھل" یہ کہہ کر میں نے پھل اُن کی جانب بڑھایا لیکن انھوں نے پھل لینے سے انکار کر دیا۔ "لیجئے نا انکل" میں نے دوبارہ اصرار کیا۔
"نہیں بیٹے۔۔۔ میں نہیں کھاؤں گا" وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔
"کیوں۔۔۔؟" میں نے وجہ معلوم کی۔
"بیٹے، تمھیں تو پتہ ہی ہے کہ میں نے ساری زندگی خوشامد کا پھل کھایا ہے محنت کا پھل اب مجھ سے نہیں کھایا جائے گا۔ ویسے بھی اب بوڑھا ہوگیا ہوں، ساری زندگی لوگوں کی خوشامد کی ہے میں نے تب جا کر یہ گھر بنایا ہے۔ لے جاؤ اس پھل کو" وہ ہانپتے ہوئے بولے۔
میں وہاں سے آگے بڑھا۔ گھر سے قریب ایک ٹریفک کانسٹیبل والے نے ایک اسکوٹر والے کو روک رکھا

تھا۔ میں وہاں پہنچا۔ کانسٹیبل نے مجھے گھور کر دیکھا۔

"اوئے، یہاں کیا کام ہے چلو یہاں سے آجاتے ہیں، منہ اٹھائے" کانسٹیبل نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ میں وہاں سے واپس جیسے ہی مڑا دوبارہ کانسٹیبل کی آواز آئی "اوئے ٹھہرو۔۔۔ یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟" وہ تھیلی کی جانب مشکوک انداز میں گھورتا ہوا بولا۔

"جی پھل ہیں" میں نے پھل کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"اوئے، جھوٹ بولتا ہے۔۔۔ دکھاؤ کیا ہے۔۔۔ ضرور کوئی مشکوک چیز ہوگی۔ جو تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے" وہ تھیلے کی جانب ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ میں نے تھیلے سے پھل نکالا اور اس کی جانب بڑھایا۔ وہ ڈر کے پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا "اوئے، یہ کیسا پھل ہے میں نے تو آج تک اس پھل کو دیکھا ہی نہیں اور نہ ہی اس کے متعلق کچھ سُنا ہے"۔

"جی۔۔۔ یہ محنت کا پھل ہے۔ یہ لیجئے"

"مم۔۔۔ مم۔۔۔ محنت کا پھل" کانسٹیبل ہکلا کر بولا "میں یہ پھل نہیں لوں گا۔ ساری زندگی بے ایمانی کا پھل کھایا ہے اس پھل کو کھا کر پیٹ تھوڑا ہی خراب کرنا ہے" یہ کہہ کر کانسٹیبل نے منہ پھیر لیا۔

میں منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا گھر کی جانب چل پڑا۔ گھر آکر میں کرسی پہ بیٹھ گیا اور سوچنے لگا، جب کوئی اس پھل کو کھاتا ہی نہیں تو یہ پھل بیکار ہے۔ اس کو پھینک دینا چاہیئے۔ اسی وقت فقیر کی آواز آئی۔

"بابا۔۔۔! لنگڑے بھوکے فقیر کو ایک وقت کا کھانا دے دو۔ دو وقت سے بھوکا ہوں۔ ہے کوئی، بابا سخی داتا"

میں نے سوچا چلو، پھل کو پھینکنے سے اچھا ہے کہ اسے فقیر کو دے دیا جائے۔ میں پھل باہر لے آیا اور فقیر سے کہا "پھل کھاؤ گے بابا۔۔۔؟"

"پھل" فقیر کی آنکھیں حیرانی سے پھیل گئیں۔ "ہاں بابا۔۔۔! ضرور کھاؤں گا۔ کئی دنوں سے پھل نہیں کھایا۔ کل شادی میں بریانی کھایا تھا، لیکن اس میں گوشت کم تھا۔ اس وجہ سے منہ کا ذائقہ بدل گیا ہے۔ لاؤ پھل دو۔ ویسے کون سا پھل ہے؟" وہ بیساکھی کے سہارے نیچے بیٹھتے ہوئے بولا۔

"محنت کا پھل" میں نے پھل نکال کر اُس کی جانب بڑھایا، لیکن فقیر بیساکھی کے بغیر کھڑا ہو گیا۔

"لو نا بابا۔۔۔!" میں نے پھل دینے کی کوشش کی، لیکن فقیر بیساکھی کو چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور بھاگتے بھاگتے کہہ گیا "اگر مجھے محنت ہی کا پھل کھانا تھا تو بھیک کیوں مانگتا"

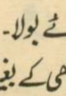

جہاں قالین وہیں صفائی

سنو وہائٹ

ڈرائی کلیننگ انڈسٹری، کراچی

ہیڈ آفس :

عبداللہ ہارون روڈ فون : ۵۱۱۷۱۱

شاخیں :

○ بہادر آباد فون : ۴۱۳۶۹۵	○ ڈیفنس فیز V فون : ۵۲۶۵۳۹
○ جمشید روڈ " ۴۱۱۳۰۲	○ امیر خسرو روڈ " ۴۱۳۶۹۵
○ کھارادر " ۲۲۵۸۰۳	○ راشد منہاس روڈ " ۴۱۱۳۰۲
○ گارڈن روڈ " ۷۲۲۴۳۳	○ حسن اسکوائر " ۵۲۶۵۳۹
○ برنس روڈ " ۲۰۲۳۳۶	

سنو وہائٹ

ڈرائی کلیننگ انڈسٹری

ہیڈ آفس : عبداللہ ہارون روڈ . کراچی فون ۵۱۱۷۱۱ ۵۲۶۵۳۹

زونل آفس : صدر بازار . راولپنڈی فون ۶۷۹۸۸ ۶۳۲۵۰

تلاش

ستیہ جیت رے
ترجمہ : آصف فرخی

اُس کی آنکھ کھلی تو اُس پر انکشاف ہُوا کہ اُسے کچھ یاد نہیں۔ وہ اُس وقت سڑک کے کنارے ایک جنگل میں پڑا تھا اور اُس کے سر پر چوٹ آئی تھی۔ وہ اُٹھا اور گھسٹتا ہوا آگے بڑھا تو اُسے ایک ٹوٹی پھوٹی گاڑی نظر آئی، جس کی اگلی اور عقبی سیٹ پر دو آدمی ساکت پڑے ہوئے تھے۔ وہاں سے وہ آگے چلا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اُسے کچھ یاد کیوں نہیں آرہا ہے؟ راستے میں پیڑوں پر بنے ہوئے سیاہ اور سفید حلقوں کو سمجھنے کی کوشش سے اُس کا سر شدت سے درد کرنے لگا اور وہ بے ہوش ہوگیا۔ ہوش میں آنے پر اُس نے دیکھا کہ ایک آدمی اُسے دُودھ پیش کر رہا ہے۔ اُس آدمی نے اُس کا نام پوچھا تو وہ نہ بتا سکا۔ ایک اور آدمی کے مشورے پر اُسے پولیس اسٹیشن لے جایا جانے لگا۔ راستے بھر وہ لوگ اُس سے مختلف سوال کرتے رہے، مگر وہ ایک بات کا بھی جواب نہ دے سکا۔ وہ لوگ اُسے ایک ڈاکٹر کے پاس مرہم پٹی کے لیے لے گئے۔ جہاں سے وہ غسل خانے کے راستے فرار ہوگیا۔ بھاگتے بھاگتے وہ ریل کی پٹڑی پر جا نکلا اور وہاں سے ایک اسٹیشن پہنچ گیا۔ ریل گاڑی آئی تو وہ اس میں سوار ہونے لگا۔ مگر بھیڑ ہونے کی وجہ سے سوار نہ ہو سکا اور ریل چل پڑی۔ وہ ریل کے ساتھ ساتھ بھاگنے لگا اور ایک کھلے دروازے کی طرف ہاتھ بڑھا دیے۔ اُسی وقت اندر سے ایک بازو نکلا اور کسی نے اُسے اندر گھسیٹ لیا۔ اندر گھسیٹنے والے شخص نے بھی اس سے بہت سے سوال کیے، مگر وہ اسے بھی کچھ نہ بتا سکا۔ ہاں البتہ اس نے اپنا ایک فرضی نام ارمان احمد جمال بتایا۔ اس شخص کا نام ہارون الرشید تھا اور وہ ایک بازی گر تھا اور کرتب دکھاتا تھا۔ ہارون نے اُس سے کہا کہ وہ اُسے اپنے ساتھ لے جائے گا۔ دوسری طرف ملک کے مشہور وکیل احمد علی دانیال اپنے بیٹے ببلو کی گمشدگی کے سلسلے میں انسپکٹر سے بات کر رہے تھے۔ انسپکٹر نے بتایا کہ چار آدمیوں نے ببلو کو اغوا کیا، راستے میں ان کی گاڑی کی ٹرک سے ٹکر ہوگئی۔ دو آدمی وہیں مر گئے اور دو آدمی سیمسن اور رگھوناتھ بھاگ گئے۔ ببلو گاڑی سے دُور جا گرا تھا۔ دانیال صاحب نے اس بات پر یقین نہیں کیا اور یہ کہہ کر انسپکٹر کے کمرے سے نکل آئے کہ اگر بدمعاشوں نے تاوان طلب کیا تو وہ رقم انھیں دے دیں گے۔ پھر پولیس مجرموں کو پکڑتی ہے یا نہیں یہ اس کا اپنا مسئلہ ہے۔ وہاں سیمسن اور رگھوناتھ نے شمالی کلکتہ پہنچ کر حلیہ تبدیل کیا اور اُس بوڑھے نجومی کے پاس پہنچے، جس کے پاس وہ اغوا کی واردات کے متعلق زائچہ معلوم کرنے گئے تھے۔ انھوں نے اسے غلط پیش گوئی کرنے پر لتاڑا اور ڈرا دھمکا کر فیس میں دیے گئے دس روپوں کے بدلے اُس کی ساری جمع پونجی سمیٹ لے گئے۔ اِدھر ہارون نے ارمان کو ابراہیم بابو کے ہوٹل میں ملازم رکھوا دیا۔ ارمان کچھ ہی دن میں اپنے کام میں مشاق ہوگیا۔ اب وہ تیزی سے گاہکوں کو چائے اور کھانا لا کر دیتا۔ وہ ابراہیم

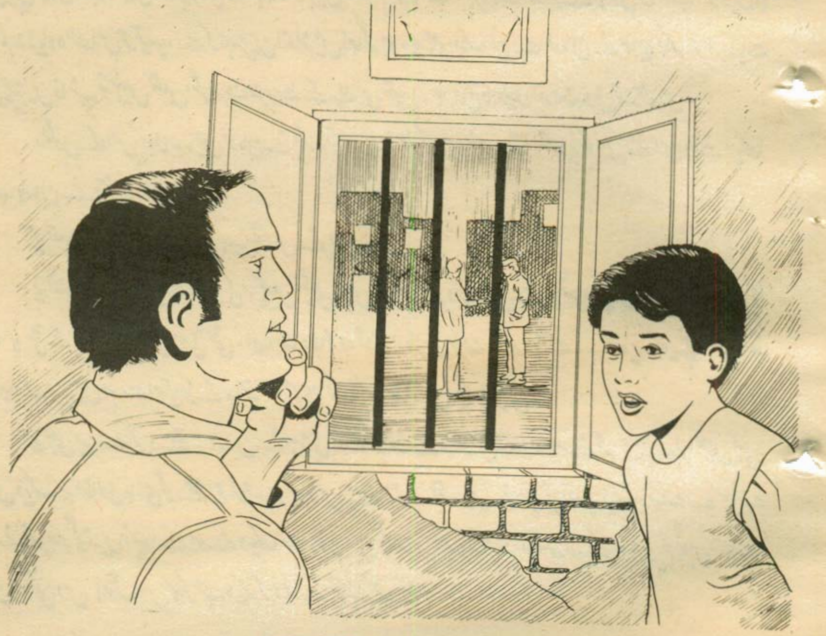

بابو کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ اتوار کو اُس کی چھٹی ہوتی تھی۔ اس اتوار کو ہارون اُسے شہید مینار لے گیا، جہاں میلہ لگا تھا اور لوگ قسم قسم کے تماشے دکھا رہے تھے۔ ہارون نے بھی ایسے حیرت انگیز کرتب دکھائے کہ میلے کے سارے لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اس تماشے سے ہارون کو کافی آمدنی ہوئی۔ ارمان بدستور ابراہیم بابو کے پاس کام کرتا رہا۔ ایک دن ایک خوفناک شکل والا بدمعاش ایک معمولی شکل والے آدمی کے ساتھ ہوٹل میں آیا۔ اس نے ارمان سے اس کے متعلق کچھ سوالات کیے، جن کے ارمان نے اُلٹے سیدھے جواب دے کر جان چھڑائی۔ شام کے قریب ہارون اُسے اپنے ساتھ اپنا گھر دکھانے لے گیا۔

(اب آپ آگے پڑھیے!)

ایک پتلی سی گلی، نیچی چھتوں اور ٹائلوں والے چھوٹے چھوٹے مکانوں کے درمیان گھومتی گھامتی جا رہی تھی۔ ہارون اُسی پر چل پڑا۔ ہارون پر نظر پڑتے ہی محلے کے بچّے تالیاں بجانے اور خوشی سے اُچھلنے لگے۔ اُسے نام لے کر بلانے لگے۔ ہارون نے انھیں پاس بلایا۔ وہ دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے اور ایک جلوس کی شکل اختیار کر لی۔

"آج نیا تماشا۔" ہارون نے اعلان کیا۔

"واہ وا!" بچّے چلّانے لگے۔ "آج نیا تماشا۔"

ارمان کو اندازہ نہیں تھا کہ ہارون کے اتنے بہت سارے دوست ہیں۔

ہارون ایک چھوٹے سے کمرے میں رہتا تھا، جس میں دن کی روشنی کبھی کبھار ہی آتی تھی۔ شاید اسی لیے اس نے کمرے کو اتنے بہت سارے رنگوں سے سجا ڈالا تھا۔ تصویریں، پتنگیں، گڑیاں، کاغذ کے ٹکڑے اور ہر طرح کی چیزیں وہاں موجود تھیں اور پھر بھی وہ کباڑ خانہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ہر رنگ اور ہر شے بالکل مناسب انداز میں تھی نہ کم نہ زیادہ، اور اس ترتیب سے کہ بہترین انداز میں اجاگر ہو۔ "یہ بھی ایک فن ہے،" ارمان نے سوچا۔ گھریلو ضروریات کی چیزیں غائب تو نہیں تھیں، مگر صرف ضرورت کے لیے ہی تھیں۔ ہارون کا تھیلا اور صندوق تو تھے ہی۔

رنگوں کے اس سیلاب میں ارمان نے ایک تصویر پر تو غور کیا ہی نہیں تھا۔ تصویر کو اس نے اس وقت دیکھا جب ہارون نے بتّی جلا دی۔

"یہ تصویر کس کی ہے، ہارون بھیا؟" اس نے پوچھا۔

یہ تصویر ایک آدمی کی تھی، جس کی مونچھیں نکیلی تھیں اور گھونگھر والے بال تھے۔ تصویر چھوٹی تھی اور اس کا فریم بڑا تھا۔ یہ بتّی کے بالکل نیچے ٹنگی ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ آدمی ارمان کی طرف دیکھ رہا ہے۔۔۔ تصویر کے نیچے سفید کاغذ پر سیاہ حروف میں بہت احتیاط کے ساتھ اس کا نام لکھا ہوا تھا۔ آں ریکو راستیلی۔

"یہ بھی میرے گرو تھے۔" ہارون نے بیڑی سُلگا کر منہ سے دھواں نکالتے ہوئے کہا۔ "میں نے انھیں کبھی نہیں دیکھا۔ یہ اطالوی بازی گر تھے، جو آج سے سو برس پہلے زندہ تھے۔ میں نے ان کی تصویر ایک رسالے سے کاٹی ہے تم نے مجھے چار گیندیں اُچھالتے ہوئے دیکھا تھا۔ تو یہ دس گیندیں اُچھالتا تھا۔ تم تصوّر کر سکتے ہو؟ پانچ نہیں، سات نہیں، اکٹھی دس! لوگ اس کا کرتب دیکھ کر دیوانے ہو جاتے تھے۔"

ارمان یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہارون نے بازی گری کے متعلق اتنا پڑھ رکھا ہے۔ کیا اسے انگریزی آتی تھی۔؟

"میں نے آٹھویں جماعت تک پڑھا ہے۔" ہارون نے کہا "ہم چندر نگر میں رہا کرتے تھے۔ میرے ابّا کی کپڑوں کی دکان تھی۔ ایک دفعہ میں تماشا دیکھنے کے لیے مہیش چلا گیا، رتھ یاترا کے تہوار کے دنوں میں مَیں دو دن تک وہاں رہا۔ بازی گری کے بڑے زبردست کرتب دیکھے۔ لیکن جب میں واپس آیا تو میرے ابّا نے اپنی بازی گری کا ایک نمونہ میرے سامنے پیش کر دیا۔ تم نے وہ جہازی سائز کی قینچی دیکھی ہے، جس سے کپڑا کاٹا جاتا ہے؟ اس سے انھوں نے مجھ پر بازی گری کی۔"

ہارون نے قمیص سرکائی اور پیٹھ پر داغ دکھایا۔

"اِسے بھرنے میں تین مہینے لگے۔ پھر ایک سہانی صبح میں کچھ کہے سنے بغیر نکل لیا۔ میری جیب میں گیارہ روپے تھے۔ کندھے پر گٹھڑی اور درگا میّا کا نام ہونٹوں پر۔ ٹکٹ خریدے بنا ریل پر بیٹھ گیا اور بھاگ نکلا، چائے اور بسکٹ پر گزارہ کرتا رہا۔ ایک صبح میں نے ریل کی کھڑکی سے جھانکا تو تاج محل دکھائی دیا۔ میں تین دن اور تین راتوں سے سفر میں تھا۔ اور تین مرتبہ ریل بدل چکا تھا۔ میں ریل سے اُتر پڑا اور گلیوں میں آوارہ پھرتا رہا۔ اور گھومتے گھومتے قلعے میں آن پہنچا۔ قلعے کی پُشت پر، کھیتوں کے سامنے دریائے جمنا تھا اور اس سے آگے تاج محل۔ قلعے کی پچھلی دیوار کے ساتھ ساتھ بالکنی تھی، خوب اونچی، اور کرتب دکھانے والے وہاں تماشا دکھا رہے تھے۔ ایک طرف سپیرا تھا، دوسری طرف ناچنے والا بھالو۔ ان دونوں کے بیچ میں اسداللہ تھا۔ جو آنکھوں پر پٹّی باندھے ہَوا میں گیندیں اُچھال رہا تھا۔ فن کاروں کو بلا وجہ ہی عزت نہیں مل جاتی۔ اسداللہ جو کر رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مجھے اندازہ ہی نہ تھا کہ کوئی آدمی ایسے کمالات بھی دکھا سکتا ہے۔"

"دیکھ کون رہا تھا؟" ارمان نے پوچھا۔

"صاحب لوگ اور ان کی میمیں۔" ہارون نے کہا۔ "وہاں بالکنی میں کھڑے ہوئے تھے۔ وہ وہیں سے تماشا دکھانے والوں کو پیسے دیتے تھے۔ پھینک کر، مُڑے تُڑے نوٹ۔ پانچ روپے اور دس روپے۔ کچھ سپیرے کو ملتے کچھ بھالو والے کے پاس جاتے اور کچھ بازی گر کے پاس۔ بازی گر کو سب سے زیادہ ملتے تھے۔ ایک احمق انگریز نے دس روپے کا نوٹ موڑے بغیر اس کی طرف اُچھال دیا۔ ہَوا کا جھونکا اسے اُڑا لے گیا، اور سیدھا ناگوں کی پٹاری میں ڈال دیا۔ اسداللہ نے اُس وقت تک آنکھوں سے پٹّی اُتار دی تھی۔ انگریز بالکنی میں سے چیخ رہا تھا۔ میں کچھ سوچے سمجھے بغیر دوڑ پڑا۔ سانپوں کی پٹاری میں ہاتھ ڈال دیا، نوٹ نکالا اور بازی گر کے پاس لا کر اس

"خدا تمھاری عمر دراز کرے" اسداللہ نے میرے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا مجھے زیادہ اردو نہیں آتی تھی۔ اس لیے جواب دینے کے بجائے میں نے اپنی جیب سے لکڑی کی دو گیندیں نکالیں جن کو اُچھالنے کی مشق مَیں ریل میں کرتا آیا تھا، اور اُسے دکھایا کہ مَیں کیا کر سکتا ہوں۔ بس یہی تھا۔ اس وقت سے، ان کی زندگی کے آخری لمحے تک، مَیں سائے کی طرح ان کے پیچھے لگا رہا۔ لیکن مجھ میں اب تک اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ آنکھوں پر پٹی باندھ کر کرتب دکھاؤں۔ آج مَیں یہی کروں گا۔"

بچّے دروازے پر منتظر تھے کہ ہارون کب باہر نکلے۔ اس نے اپنا تھیلا اُٹھایا اور ارمان کے پیچھے پیچھے چلتا ہُوا گلی میں اُلٹے ہاتھ کو مُڑا اور چلتے چلتے ایک کھُلی جگہ پر آگیا جس کے قریب ہی ایک تالاب تھا۔ تالاب کے دونوں طرف کارخانوں کی دیواریں تھیں۔ ہارون نے وہ جگہ چُنی جہاں سرکنڈے سب سے کم تھے۔ اپنی گدّی بچھائی اور بیٹھ گیا۔ بچّے اس کے گرد نیم دائرہ بنائے کھڑے رہے۔

ہارون نے بُند کی دار پیلا رومال اپنے تھیلے سے نکالا۔ ارمان کو پکڑایا اور کہا "اسے میری آنکھوں پر کس کر باندھ دو۔"

ارمان نے وہی کیا جو اس سے کہا گیا تھا اور واپس تماشائیوں کے ہجوم میں مل گیا۔

ہارون نے تین مرتبہ اپنے استاد اسداللہ کے نام کو سلام کیا اور گیندوں سے کھیلنے لگا پہلے اس نے دو اُچھالیں پھر تین، اور اتنی مہارت کا مظاہرہ کیا کہ ارمان کو خیال آیا کہ اس لمحے کی یاد اس کی باقی زندگی کے لیے کافی ہوگی چاہے وہ اور سب کچھ بھول جائے۔

اور صرف گیندیں ہی نہیں۔ آنکھوں پر سے پٹّی اتارے بغیر ہارون نے تھیلے میں سے چھُریاں نکالیں تین چھُریاں جن کے پھَل اتنے چمک دار تھے کہ اِن میں آسمان، اِرد گِرد کے مکان اور آس پاس کے درخت نظر آرہے تھے۔ چھُریاں ہارون کے ہاتھوں میں ناچنے لگیں، چمکتیں اور ہَوا کو کاٹ دیتیں، ہارون کی انگلیوں کو چھُوئے بغیر۔

محلّے کی فضا بچّوں کے نعروں اور تالیوں سے گونج اُٹھی ان، ہارون کے پاس آیا کہ اس کی آنکھوں پر سے پٹّی کھول دے، لیکن اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس لیے د پٹّی نہیں کھول سکا۔ ہارون سمجھ گیا۔ مُسکراتے ہوئے اس نے اپنی پٹّی خود ہی اُتار دی۔ اُس نے پھر بچّوں سے کہا۔

"آج کے لیے بس۔ اب گھر جاؤ۔"

ارمان کو ایسا لگ رہا تھا کہ ہارون اپنے کرتب سے اتنا خوش نہیں ہے جتنا کہ ہونا چاہیئے۔ شاید وہ اپنے گرد

اسداللہ کو یاد کرکے اُداس ہوگیا ہے۔

مگر یہ وجہ نہیں تھی۔ ہارون نے یہ وجہ اُسے تب بتائی جب وہ اس کے کمرے میں آگئے۔

"دو آدمی ـــــ جو اس محلّے کے نہیں ہیں ـــــ جن کو میں نے پہلے نہیں دیکھا ـــــ تمھیں دُور سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے انھیں اُس وقت دیکھا جب میں نے آنکھوں پر سے پٹّی اُتاری۔ مجھے وہ بالکل بھی پسند نہیں آئے۔"

ارمان کو وہ چائے خانے والے دونوں آدمی یاد آگئے۔

"کیا ان میں سے ایک لمبا اور بدمعاش جیسا تھا، اور دوسرا دُبلا پتلا۔"

"ہاں۔ ہاں۔ کیا تم نے بھی اُنھیں دیکھا تھا؟"

"یہاں تو نہیں۔ میں نے آج دوپہر انھیں دیکھا تھا۔"

"کیا اس کے کانوں پر موٹے موٹے بال تھے؟" ہارون نے پوچھا۔

"ارے ہاں۔" یہ تو پہلی چیز تھی جس پر ارمان نے توجّہ دی تھی۔ اب ہارون نے ذکر کیا تو اُسے یاد آیا۔

ہارون کا جبڑا سختی سے بھنچ گیا۔ "شیام لال" وہ بڑبڑایا۔ "اس کا اُوپری دھڑ تو تگڑا ہے، لیکن اس کی ٹانگیں کمان کی طرح مُڑی ہوئی ہیں۔ اس کی ٹانگوں سے ہی مجھے شُبہ ہوا۔ اس کی داڑھی تھی، وہ اس نے مُنڈوا دی۔ کان بھی مُنڈوا لینے چاہئیں تھے۔ شاید بھُول گیا۔ چند سال پہلے میں چیت پور کے ایک چائے خانے میں بیٹھا کرتا تھا۔۔۔ وہیں میں نے اُسے دیکھا تھا۔ یہ چار تھے۔ چار غُنڈے۔۔۔ یہ تو بہت۔۔۔"

ہارون اچانک رُک گیا، اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور وہ پوچھنے لگا: "دو آدمی گاڑی میں مرے پڑے تھے۔ ہیں ناں؟"

ارمان نے سر ہلایا۔ ہارون کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔

"میرا یہی خیال تھا۔" اس نے کہا۔ "تمھارے ابّا کے پاس بہت دولت ہے۔"

ابّا کا ذکر ارمان کے لیے بے معنی تھا۔ وہ خاموش رہا۔ ہارون اُٹھا، کھڑکی کے پاس آیا، دیوار سے بالکل چپک کر بہت احتیاط کے ساتھ باہر جھانکا۔

"وہ دونوں ابھی تک وہیں ہیں۔ انھوں نے ابھی ابھی سگریٹ سُلگائے ہیں۔"

اب باہر اندھیرا تھا۔ ارمان کو یاد آیا کہ اُسے واپس جانا تھا۔ ہارون نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اُسے لے جائے گا۔ لیکن اگر وہ دونوں آدمی کچھ گڑبڑ کرنا چاہتے تو مشکل ہو سکتی تھی۔

ہارون پھر بیٹھ گیا۔ ارمان نے اُسے کبھی اس قدر سنجیدہ نہیں دیکھا تھا۔ "کیا تم میرے واپس جانے کے بارے

میں پریشان ہو؟" اس نے پوچھا۔
"اس کا تو انتظام ہو سکتا ہے۔" ہارون نے کہا۔ "ہم پیچھے سے نکل سکتے ہیں، لاکھا مستری کے کمرے سے۔ اس کے ساتھ ایک گلی ہے۔ شیام لال کو اس کے بارے میں پتہ نہیں ہوگا۔ جہاں تک میں سمجھا ہوں، اُسے محلے کے بارے میں زیادہ نہیں معلوم۔ وہ ہمارا پیچھا کرتا ہوا یہاں آیا ہے۔ نہیں، مجھے اس کی فکر نہیں۔ مجھے فکر اس بات کی ہے کہ تمھارا کیا بنے گا، تمھارا مستقبل۔"
ہارون رُک گیا۔ پھر اُس نے ارمان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا "تمھیں اب بھی کچھ یاد نہیں آتا؟"
ارمان نے سر ہلا دیا۔
"کچھ نہیں، ہارون بھیا۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ یاد کرنا کیا ہوتا ہے۔"
ہارون نے زانو پر ہاتھ مارا، اُٹھا اور بتی جلتی ہوئی چھوڑ کر دروازے میں تالا لگایا اور پیچھے کے دروازے سے ارمان کو ساتھ لے کر گلی میں نکل آیا۔
اگلے اتوار کی صبح۔
احمد علی دانیال کے عالی شان بنگلے کے وسیع ڈرائنگ روم میں ایک اجلاس ہو رہا ہے۔ یہ بنگلہ کافی پُرانا ہے۔ اسے ساٹھ سال پہلے اُن کے والد محمد علی نے تعمیر کرایا تھا۔ محمد علی کی تصویر کمرے کی مغربی دیوار پر ٹنگی ہوئی ہے۔ احمد علی کو اپنے والد کی وکالت ورثے میں ملی تھی مگر وہ ان کی جتنی دولت نہیں کما سکے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک زمانہ میں محمد علی کی آمدنی کا اوسط ایک ہزار روپے روزانہ تھا۔
دانیال صاحب کچھ بجھے بجھے سے تھے۔ وہ اس بات پر حیران تھے کہ ان کے بیٹے کو اغوا کرنے والوں نے ابھی تک ان سے کوئی رابطہ کیوں نہیں قائم کیا۔ اس بات سے وہ اپنے بیٹے کی طرف سے پریشان ہو گئے تھے۔
اس کمرے میں ان کے اور پولیس انسپکٹر کے علاوہ دو لوگ اور تھے، یہ ان کے دوسرے اور تیسرے بیٹے تھے۔ ان کا بڑا بیٹا بھی آیا تھا لیکن دو دن سے زیادہ نہیں ٹھہر سکا کیونکہ اُسے بڑے اہم اجلاس کے لیے دہلی جانا تھا۔
دوسرا بیٹا عدنان کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ چھبیس سال کا تھا، صاف رنگ، بڑی بڑی قلمیں اور بھاری سیاہ فریم کا چشمہ پہنے ہوئے تھا۔
"ابا جان، آج کل بہت سے غیر ملکی رسالوں میں یادداشت کے گُم ہو جانے کا ذکر ہوتا ہے" وہ کہہ رہا تھا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اس امکان کو کیوں نظر انداز کر رہے ہیں؟ کیا آپ نے نسیان کا نام نہیں سُنا؟

تیسرے نمبر کا بھائی نعمان کچھ زیادہ نہیں بول رہا تھا۔ وہ عمر میں بلبو سے سب سے زیادہ قریب تھا۔ شاید اسی لیے اُسے صدمہ بھی زیادہ تھا۔ ذرا ذرا دیر کے بعد وہ اپنا ماتھا پیٹ لیتا، یہ سوچ کر کہ اگر وہ کلکتّہ میں ہوتا تو بلبو اغوا نہ ہُوا ہوتا، لیکن اگر وہ کلکتّہ میں ہوتا بھی تو وہ واردات کو روک نہیں پاتا، اور اس کا یہ خیال درست نہیں تھا۔

بلبو کو اسکول سے گھر واپس آتے ہوئے اغوا کیا گیا تھا۔ جن دنوں بارش نہیں ہوتی، بلبو پیدل گھر واپس آتا تھا۔ اس کا ہم جماعت عروج جس کا گھر یہاں سے تیسرا تھا، اس کے ساتھ ساتھ ہوتا۔ یہ اغوا چھٹی کے دن ہوا تھا۔ اسکول میں چند دن بعد بچّوں کا میلہ لگنے والا تھا اور کچھ بچّوں سے کہا گیا تھا کہ وہ اس کی تیاری میں مدد کریں۔ بلبو بھی ان ہی میں سے ایک تھا۔ اور وہ اس دن اسکول آیا تھا، حالانکہ وہ چھٹی کا دن تھا۔ عروج کو نہیں بُلایا گیا تھا۔ تو ہُوا یہ کہ شام کے تقریبًا ساڑھے پانچ بجے، بلبو اکیلا گھر واپس آرہا تھا۔ چار آدمیوں کا ٹولہ نیلے رنگ کی ایمبیڈر گاڑی میں آیا اور اُسے پکڑ کر لے گیا۔ اس واقعے کا ایک گواہ تھا۔ بوڑھا گوپی ناتھ...، جو سامنے والے گھر میں دربان تھا۔ اس نے سب کچھ دیکھا تھا

"اگر یہ بات ہے" دانیال صاحب کچھ خاموشی سے سوچنے کے بعد بولے "تو وہ گھر آنے کے بعد کسی کو نہیں پہچانے گا۔"

"وہ ٹھیک بھی ہوسکتا ہے۔ یادداشت کی گم شدگی کوئی ناقابلِ علاج مرض نہیں ہے۔ ڈاکٹر بوس سے پوچھیے" عدنان نے کہا "اگر اس کے ماہر ڈاکٹر یہاں نہیں ہیں تو باہر ہیں۔ بہت سارے ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے" دانیال صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے، لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتے، انسپکٹر نے کہا "جناب آپ وہی کیجیے جو میری تجویز ہے۔ چونکہ ہمیں اغوا کرنے والوں کا کوئی پیغام نہیں ملا ہے، اس لیے ہم یہ یقین کرسکتے ہیں کہ بچّہ ان کے پاس نہیں ہے، بلکہ کہیں اور ہے اگر اس کی یادداشت کھوگئی ہے تو وہ اپنے آپ گھر نہیں آسکتا۔ اسی لیے میری تجویز یہ ہے کہ آپ اس کے لیے اشتہار دیں۔ انعام کا اعلان کیجیے اور پھر دیکھئے۔ اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔"

"آپ کو اب تک ان دو آدمیوں کا کوئی سراغ نہیں ملا"؟ دانیال صاحب نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ کلکتّہ میں ہیں" انسپکٹر نے جواب دیا "مگر ہم ابھی تک پوری طرح تفتیش نہیں کرپائے۔"

دانیال صاحب نے اپنے دونوں ہاتھ ڈریسنگ گاؤن کی جیبوں میں ڈال دیے اور ٹھنڈی سانس بھری۔

"پھر یہی کرتے ہیں۔ عدنان تم ایک دن اور ٹھہر جاؤ اور اس کام کو دیکھ لو۔ نعمان اس کام کو سنبھالنے کے لیے چھوٹا ہے۔"

عدنان نے سر ہلایا۔ نعمان بے چین ہوکر کسمسانے لگا۔ اسے یہ بات پسند نہیں آئی۔

"ہم کتنے اخباروں میں اشتہار دیں"؟ دانیال صاحب نے انسپکٹر سے پوچھا۔

"کم از کم پانچ" انسپکٹر نے کہا "انگریزی، ہندی اور اُردو کے اخبار تو ہوں۔ اور مَیں اس میں بنگالی اخبار بھی شامل کر

لوں گا۔ کچھ پتہ نہیں، بچّہ کن ہاتھوں میں پڑ گیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اشتہار کے ساتھ تصویر بھی چاہیئے ہوگی"۔ یہ نعمان کی آواز تھی۔ "میرے پاس ببلو کی بہت اچھی تصویر ہے، جو پچھلے سال دار جلنگ میں کھینچی تھی۔"

"جب ہم نے اشتہار دینے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے، تو اشتہار ایسا ہو کہ ہر آدمی کی نظر اس پر پڑے۔" دانیال صاحب نے کہا۔ "خرچے کی کوئی فکر نہیں ہے۔"

باقی آئندہ

کیا آپ ناراض ہیں ؟

اگر آپ

- اس لئے ناراض ہیں کہ آنکھ مچولی میں بھیجی ہوئی تحریر شائع نہیں ہوئی تو ذرا سوچیئے کہ ایسا کیوں ہوا؟
- کیا آپ کی تحریر نقل شدہ تھی۔؟
- پہلے شائع ہو چکی تھی ؟
- صفحے کے دونوں طرف اور لائن چھوڑے بغیر لکھی گئی تھی۔
- پنسل سے یا اتنے مشکل رسم الخط میں لکھی گئی تھی کہ پڑھی نہیں جا رہی تھی ؟
- چھوٹے پرزوں پر لکھی گئی تھی ؟
- ایک ہی صفحے پر بہت سی تحریریں لکھی گئی تھیں ؟
- آپ کی تحریر کا انداز بیان، خیال اور اسلوب بچوں کی نفسیات سے ہٹ کر تھا ؟
- آپ کی تحریر مشکل اور گنجلک تھی ؟
- آپ کی تحریر میں مقصدیت کا فقدان تھا۔ ؟
- تو پھر سوچیئے کہ آپ کی تحریر کیونکر شائع ہو سکتی تھی۔
- اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریر شائع ہو تو اوپر بیان کی گئی تمام باتوں سے بچیں۔
- یاد رکھیئے ! بڑا ادیب بننے کے لئے مطالعہ اور مسلسل محنت بہت ضروری ہے۔

(ادارہ)

میرا بینک! مِے لا بھی تو ہے!!

فراز سلیم

ایک زمانہ تھا کہ بچّے جنوں کی کہانی سُن کر خوف زدہ ہو جایا کرتے تھے اور ایک زمانہ یہ ہے کہ بچّے جنوں کی کہانی سُن کر انھیں دیکھنے کی ضد کرتے ہیں۔ بچّوں کی دلچسپیوں کے ساتھ ساتھ ان کی عملی سرگرمیاں بھی بدلتی جا رہی ہیں۔ پہلے بچّے کھانے پینے، کھیلنے کودنے، رونے دھونے، سونے، ضد کرنے اور تھوڑا بہت پڑھنے کے علاوہ کچھ نہیں کرتے تھے۔ مگر آج بچّے اتنے بڑے ہو گئے ہیں کہ وہ سنجیدہ اور پیچیدہ قسم کا کاروبار سنبھالنے لگے ہیں۔ اس کی ایک مثال امریکی شہر واشنگٹن میں قائم ہونے والا ٹوٹسلیٹ بینک ہے۔ یہ بینک امریکی ریاست میامی کے پہلے قومی بینک کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ اس بینک کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بچّوں کا بینک ہے اور اس کا پورا اسٹاف بچّوں پر مشتمل ہے۔ اس تصویر میں تین بچّے اپنے اپنے دفتری کاموں میں مصروف نظر آ رہے ہیں اور یہ جو ایک بچّہ بغل میں کاغذوں کی فائل دبائے مُسکرا رہا ہے۔ اس کا نام رچرڈ موبیل ہے اور یہ اس بینک کے بورڈ کا صدر اور چیئرمین ہے۔ یہ تصویر بینک کے افتتاح کے فوراً بعد کھینچی گئی تھی۔

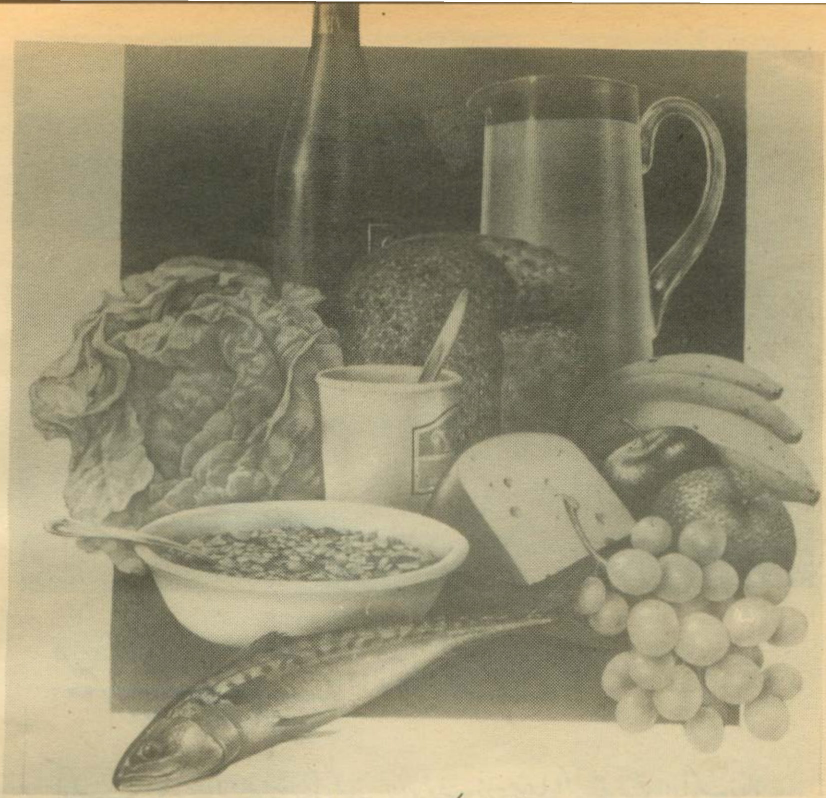

ہم کیا کھائیں؟

غذا ہر جاندار کی زندگی کے لئے بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ خدا نے ہر جاندار کی جسمانی ساخت اس طرح رکھی ہے کہ وجود میں آنے کے بعد مرتے دم تک اسے غذاء کی ضرورت پڑتی ہے اور اگر غذاء نہ ملے تو اس کی موت واقع ہو سکتی ہے۔ کبھی آپ نے یہ سوچا ہے کہ ہم کیوں کھاتے ہیں؟ اور ہم جو کچھ کھاتے ہیں وہی چیزیں کیوں کھاتے ہیں، ان کی بجائے کچھ اور کیوں نہیں کھاتے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جسم کی نشو و نما اور صحت برقرار رکھنے کے لئے ہمیں اپنے جسم میں پھیلے بے شمار خلیوں اور نسوں کو زندہ اور متحرک رکھنا پڑتا ہے اور انہیں متحرک رکھنے کے لئے ہمیں مختلف خوراکوں اور غذاء کی ضرورت پڑتی ہے۔

یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم جو غذا، کھاتے ہیں وہ صحیح غذائی اجزاء پر مشتمل ہو اور ہمارے دورانِ خون میں شامل ہو کر آسانی سے جزوِ بدن بن سکے اور ہمارا بدن مطلوبہ غذائی اجزاء حاصل کرتا رہے۔ یہ بنیادی غذائی اجزاء، بدن کو فراہم کرنے کے متعدد طریقے ہیں۔ اور دنیا کے مختلف علاقوں میں اور مختلف صحت بخش غذائی اجزاء، کو حلق سے نیچے پہنچانے کے واسطے اشتہا انگیز بنانے کے لئے بھی مختلف طور طریقے رائج ہیں۔

ہمارے بدن کو اپنی قوت برقرار رکھنے کے لئے مخصوص مقدار میں تمام غذائی اجزاء، مثلاً حیاتین پروٹین، کیلوریز اور کاربوہائیڈریٹس وغیرہ درکار ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی بھی جزو پر ہی کلی طور پر انحصار کر لیا جائے اور دیگر اجزاء کی شمولیت کا خیال نہ رکھا جائے تو جسمانی صحت پر اس کا بُرا اثر پڑتا ہے اس لئے ایک معیاری اور آئیڈیل غذا، وہی ہوتی ہے جس میں تمام اجزاء مناسب مقدار میں شامل ہوں۔

ٹھوس، متوازن اور صحت بخش غذا وہی ہوتی ہے جو ان تمام اجزاء کا مرکب ہو اور بہت سی غذاؤں کے اشتراک سے ایک بہترین خوراک تیار کی جا سکتی ہے۔

اس لحاظ سے ترقی یافتہ ممالک کے باشندے بہت خوش قسمت ہیں کہ ان کے ناشتے سے لے کر دوپہر، شام اور رات کا کھانا اور ناشتہ تک ان کی خوراک تمام ضروری اجزاء کا بہترین مرکب ہوتی ہے اور وہ لوگ متعدد پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک کے عوام کی طرح محض پیٹ کا دوزخ بھرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ غذا میں توازن اور ذائقے کا بھی خیال رکھتے ہیں۔

جن لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا ملنا ہی محال ہو ان کے لئے تو واقعی اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی کہ کھانے میں کون کون سے غذائی اجزاء شامل ہیں یا اس خوراک کا ذائقہ کیسا ہے لیکن خوش نصیب ہیں وہ قومیں اور وہ لوگ جو کھانا محض کھانے کے لئے ہی نہیں بلکہ ذائقے اور لذت کے لئے بھی کھاتے ہیں۔ اللہ کے فضل سے اس لحاظ سے پاکستان بھی ان خوش نصیب ممالک میں شامل ہے۔ جہاں سارے کے سارے محض پیٹ بھرنے کے لئے نہیں کھاتے بلکہ کھانے میں ذائقہ اور اشتہا کا عنصر بھی شامل رکھتے ہیں۔ متوازن غذا، پیٹ بھر کر کھانے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں اشتہا بھی ہو یعنی غذا، سامنے آتے ہی اسے پیٹ میں اتار لینے کا جی چاہے ایسی بے ذائقہ اور بدمزہ نہ ہو کہ چند نوالے کھا کر ہی ہاتھ کھینچ لینا پڑے۔

آپ اور آپ کے اہلِ خانہ کے لئے
راہنما کتابیں
گرین گائیڈ اکیڈمی کے تحائف

ان کا مطالعہ علم بڑھائے گا
ان کی موجودگی مفید ثابت ہوگی

قرآنی حکایات کا

۱۰۴ صفحات

پر مشتمل خوبصورت مجموعہ

اس کے حصول کے لئے ۱۰ روپے کا منی آرڈر ارسال کیجئے

خاکِ وطن سے سرزمینِ حرم تک

معلومات بھی — راہنمائی بھی

حجاج اور زائرین کے لئے نادر تحفہ — ۲۰۳ صفحات

اس کتاب کے لئے ۲ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کیجئے

اسلام کی بنیادی معلومات

۴ حصے

جو آپ پر سیکھنا لازم اور سکھانا کارِ ثواب ہے

تالیف: مفتی کفایت اللہ صاحبؒ

تعلیم الاسلام مفت حاصل کرنے کے لئے فی کتاب ۲ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کیجئے

پتہ: گرین گائیڈ بک سیریز۔ گرین گائیڈ اکیڈمی
ڈی — ۱۱۲ — نورس روڈ سائٹ، کراچی۔ ۱۶

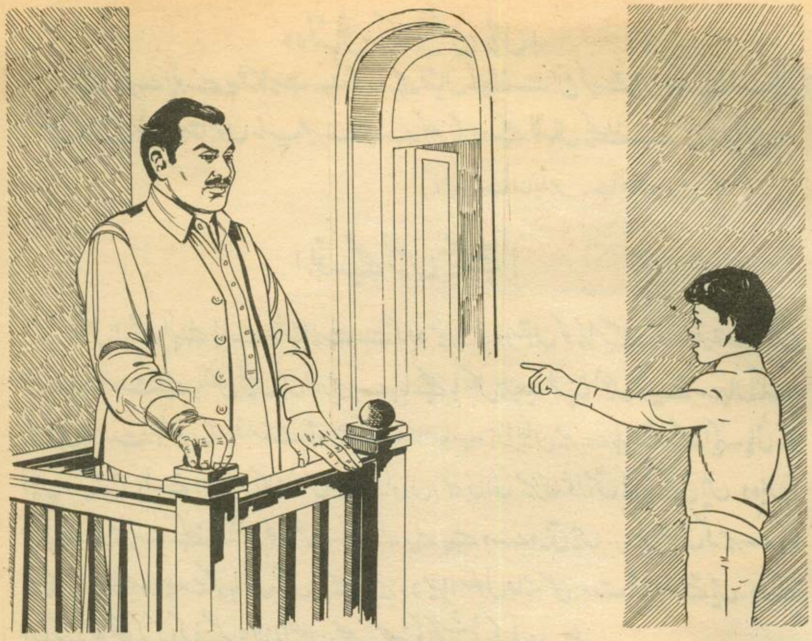

مجھے ابو سے شکایت ہے

گھومنے پر پابندی

مجھے ابو سے شکایت ہے کہ وہ مجھے کسی کے ساتھ گھومتا دیکھتے ہیں تو منع کرتے ہیں اور کوئی رسالہ وغیرہ بھی نہیں پڑھنے دیتے۔

(اوشاق علی جمالی، جیلانی روڈ سکھر)

ابو اُداس کیوں رہتے ہیں؟

ہمیں ابو سے شکایت یہ ہے کہ ابو ہر وقت اُداس رہتے ہیں۔

(ریحان بدر، عمران بدر)

وہ فٹبال کے دشمن ہیں!

مجھے میرے ابّو سے یہ شکایت ہے کہ وہ مجھے فٹبال کھیلنے سے منع کرتے ہیں جبکہ میں فٹ بال کا مشہور کھلاڑی بننا چاہتا ہوں۔ آپ میرے ابّو سے کہیں کہ وہ مجھے فٹبال کھیلنے سے منع نہ کیا کریں۔

(اعجاز خان بابر ۔ جامشورو)

ابّو مجھے نہیں سمجھتے!

انکل! مجھے اپنے بابا سے یہ شکایت ہے کہ وہ میرے دوستوں کو بُرا سمجھتے ہیں۔ حقیقت میں میرے دوست ایسے بالکل نہیں ہیں اور میرے بابا مجھے بالکل جیب خرچ نہیں دیتے۔ یہاں تک کہ میں اپنی جماعت (ہفتم) میں فرسٹ ڈویژن سے کامیاب ہوا لیکن میرے بابا نے مجھے ایک پائی بھی نہیں دی کہ میں اپنے دوستوں کا منہ ہی میٹھا کرادوں۔ میری امّی میری خواہش کی قدر کرتی ہیں۔ وہ ہیں تو ان پڑھ مگر میرے کہنے پر آنکھ مچولی خریدنے کے لیے پیسے دے دیتی ہیں... مگر افسوس کہ میرے بابا میری اندرونی صلاحیت کو بالکل نہیں سمجھتے۔ نیز وہ میرا اسکول جانا بھی بہت بُرا جانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پڑھ لکھ کر کیا کروگے؟ لہٰذا انھیں مجھے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

(محمّد اکرم سیال عاجز ۔ وکیل والا، تحصیل ننکانہ صاحب)

گیند اور بلّا کیوں چُھپا لیتے ہیں؟

مجھے اپنے ابّو سے یہ شکایت ہے کہ وہ مجھے صحن میں کرکٹ نہیں کھیلنے دیتے جب کھیلو تو وہ گیند اور بلّا چُھپا لیتے ہیں۔

(سیّد جاوید حیدر شاہ ۔ بی بلاک راولپنڈی)

ابّو اور میرا رسالہ

مجھے اپنے ابّو سے یہ شکایت ہے کہ وہ مجھے "آنکھ مچولی" رسالہ پڑھنے نہیں دیتے جب پڑھنے بیٹھوں، مجھ سے لے کر وہ خود پڑھنے لگتے ہیں۔

(سونیا حیدر، راولپنڈی)

پیارے سٹیکرز!

مجھے ابّو سے شکایت ہے کہ وہ مجھے اپنی گاڑیوں پر سٹیکرز نہیں لگانے دیتے۔

(عامر نوید۔ ریلوے روڈ، سرگودھا)

نوٹ:۔ عامر میاں! سٹیکرز لگانے سے گاڑیاں خراب ہو جاتی ہیں۔ اس لیے تمھیں اپنے ابّو کا کہا ماننا چاہیئے۔ (آنکھ مچولی)

ابّو کی ناپسندیدہ عادت

مجھے ابّو سے شکایت ہے کہ وہ کمرے میں سگریٹ پیتے ہیں۔ سگریٹ کے دُھوئیں سے مجھے بُو آتی ہے اور میری طبیعت خراب ہوتی ہے۔

(شاھد رسول بخاری والا منظفر گڑھ)

فریج لاکر نہیں دیتے

مجھے ابّو سے شکایت ہے کہ وہ ہمیں فریج لاکر نہیں دیتے۔

(اللّٰہ جان مشتر کہ کالونی ٹنڈو محمد خان)

نوٹ:۔ عزیز دوست! کیا تمھیں اپنے ابّو کی آمدنی کا علم ہے؟ کیا وہ فریج خرید سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر تمھیں یہ شکایت نہیں کرنی چاہیئے۔ اس ملک میں سینکڑوں گھر ایسے ہیں جہاں فریج نہیں ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ تم اپنے ابّو کی مجبوریوں کو سمجھنے کی کوشش کرو گے۔ (آنکھ مچولی)

ابّو میری غلطی پر بھی نہیں ٹوکتے

ابّو مجھے بہت زیادہ پیار دیتے ہیں، انھوں نے کبھی بھی مجھے نہیں ڈانٹا۔ میری ہر خواہش پوری کرتے ہیں۔ مگر امّی جب ڈانٹتی ہیں تو ابّو انھیں بھی منع کرتے ہیں اور اگر میں کوئی غلط کام کروں تو بھی ابّو مجھے کچھ نہیں کہتے، بس شکایت یہ ہے کہ وہ مجھے اتنا زیادہ پیار نہ دیں۔

(چندا فیاض حسین بلوچ۔ تاج کالونی، نوابشاہ)

ابّو میرے پیسے واپس نہیں کرتے!

سب لوگوں کو سلام۔ یہ خط میں ابّو سے شکایت کے بارے میں لکھ رہی ہوں۔ میری عمر ۱۱ سال ہے اور ساتویں جماعت کی طالبہ ہوں۔ مجھے ابّو سے شکایت ہے کہ وہ مجھے بلاوجہ ڈانٹتے ہیں جس سے میں احساسِ کمتری کا شکار ہوگئی ہوں۔ اس کے علاوہ عیدی یا کسی عزیز کے دیے ہوئے پیسے وغیرہ ان کے پاس رکھواتی ہوں اور کہتی ہوں مجھے میری مطلوبہ چیز لے دیں۔ پہلے تو وہ وعدہ کرتے ہیں اور بعد میں پورا نہیں کرتے۔ اور مجھے افسوس ہوتا ہے اور نہ ہی مجھے جیب خرچ ملتا ہے۔ جبکہ ہماری مالی حالت بہت بہتر ہے۔ اس خط کا لفافہ بھی بڑی مشکل سے ملا ہے۔ بڑی ڈانٹ کے بعد۔ اس کے علاوہ میں کوئی کام نہ کروں تو مجھے امّی مارتی بھی ہیں۔ جس سے میں کام کرنے پر مجبور ہوجاتی ہوں۔ پلیز میرا خط آنکھ مچولی میں ضرور شائع کریں۔

(ثروت نور، اسلام آباد)

رسالہ مت پڑھو، کرکٹ مت کھیلو

مجھے اپنے ابّو سے شکایت ہے کہ وہ مجھے رسالے پڑھنے نہیں دیتے اور کرکٹ بھی نہیں کھیلنے دیتے۔

(نان الیس نظیر سندھی، کندھ کوٹ)

- انسان کی خواہشات ہی گناہ کا سبب بن جاتی ہیں
- تم بُرائی سے رُک جاؤ، برائی تم سے رُک جائے گی۔
- ناقابلِ اعتماد دوستوں سے تنہائی بہتر ہے۔
- فضول بحث بہترین دوست سے جُدا کرتی ہے۔
- تمہارے عیب بتانے والا ہی تمہارا اصل دوست ہے۔
- دوست کی محبت آزمانے کی بجائے اپنی محبت کو آزماؤ۔
- اچھا دوست قدرت کا بہترین عطیہ ہے۔
- بُرے دوست سے بچو کہیں وہ تمہارا تعارف نہ بن جائے۔

(مرسلہ: شیخ طاہر محمود، ملتان)

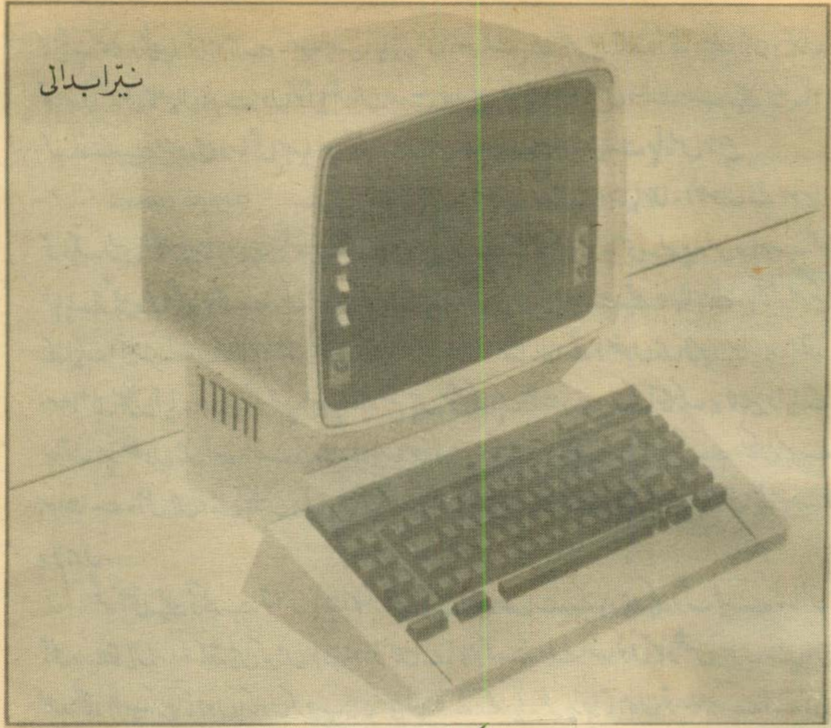

کہانی کمپیوٹر کی

میں کمپیوٹر ہوں ۔ آپ سب کا دوست ۔ آپ سب کے کام آنے والا ۔ یہ میں ہی ہوں جس کی وجہ سے آپ اپنا گھنٹوں اور دنوں کا کام منٹوں میں نمٹا لیتے ہیں ۔ بینکوں اور دیگر بڑے بڑے مالیاتی اداروں میں جہاں اربوں کھربوں کا کاروبار ہوتا ہے وہاں حساب کتاب میں بہت زیادہ وقت کا زیاں اور غلطی کا امکان رہتا ہے مگر میں اکیلا چند منٹوں میں اربوں اور کھربوں روپوں کا حساب بغیر کسی غلطی کے کر دیتا ہوں ۔ اسی طرح بہت سے کارخانے جہاں بہت زیادہ مزدور کام کرتے تھے اور آئے دن تنخواہیں بڑھانے کے لیے ہڑتال کرنے کے لیے تُل جاتے تھے ۔ اب میں بڑی خاموشی سے وہاں دُگنی تعداد میں مصنوعات اور سامان تیّار کر رہا ہوں ۔ میں اتنی بہت سی محنت کے باوجود نہ تو تنخواہ لیتا ہوں اور نہ ہی مجھے ہڑتال کرنے کا شوق ہے ۔ کہنے کو تو میں صرف ایک مشین ہوں ۔ مگر ہوں نہایت کام کی چیز ۔ میرے اندر معلومات

کا ایک سمندر چھپا ہُوا ہوتا ہے ۔ آپ جب چاہیں ان معلومات سے بھرپور فائدہ اُٹھا سکتے ہیں ۔ یوں تو میری تخلیق کا خیال بہت سوں کو آیا مگر میں بہت بعد میں ایجاد ہوا ۔ اس وقت جب مجھے ایجاد کرنے کے لیے ضروری وسائل مہیا ہو گئے ۔ برطانیہ کے ایک ماہرِ ریاضیات چارلس بیبج CHARLES BABBAGE نے میرا ایک ڈیزائن انیسویں صدی میں بنایا تھا ۔ انھوں نے سوچا کہ ایک ایسی مشین بناؤں جو ہر قسم کی معلومات مہیّا کرنے کے قابل ہو ۔ اسی لیے چارلس صاحب کو "بابائے کمپیوٹر" کہا جاتا ہے ۔ مگر افسوس کہ وہ بھی وسائل کی کمی کی وجہ سے مجھے نہ بنا سکے ۔ بالآخر امریکہ کے ایک انجینئر نے جن کا نام وینور بُش VANNEVAR BUSH تھا ۔ ان کے ہاتھوں میں ایجاد ہوا ۔ یہ واقعہ ۱۹۳۰ء میں پیش آیا ۔ اور جیسا کہ آپ سب کے علم میں ہوگا کہ اس وقت سے لے کر آج تک یہ ناچیز دنیا کے ساتوں برِّاعظموں میں آپ سب کی خدمت پر مامور ہے ۔ کہنے کو تو مجھے کمپیوٹر کہا جاتا ہے ۔ لیکن میرے بہت سے ماڈل ہیں ، میں شکلیں بدل بدل کر مختلف جسامت (سائز) کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہا ہوں ۔

مگر بھئی مجھے دُکھ ہے تو اس بات کا کہ میری بے انتہا خدمات کے باوجود کچھ لوگ مجھ سے ناراض بھی رہتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ہاتھ اور ذہن سے کام کرنے والے انسانوں کا دشمن ہوں ۔ میں ان کا روزگار ہڑپ کر جاتا ہوں ، کیوں کہ جب میں کسی ادارے کے لیے خریدا جاتا ہوں تو ۔ ۔ میرے آتے ہی اس ادارے سے بے شمار افراد نکال دیے جاتے ہیں ۔ کیونکہ میں تنِ تنہا ان سب کے حصّے کا کام کر سکتا ہوں ۔ لہٰذا ادارے کے مالکان صرف مجھ ہی سے کام لینا پسند کرتے ہیں ، کیونکہ وہ مجھ پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں ۔ اور پھر یہ کہ وہ فالتو عملہ بھی تو نہیں رکھنا چاہتے ۔ میرا کمال یہ ہے کہ میں بہت ڈھیر سارے آدمیوں کا کام چند منٹوں میں نمٹا دیتا ہوں ۔ اس طرح یہ جو وقت کی بچت ہوتی ہے تو لوگ یہ کیوں نہیں دیکھتے ۔ پھر یہ کہ جو آدمی مجھے آپریٹ کرنے کا ہنر جانتا ہے ۔ اس پر ہر وقت روزگار کے دروازے کُھلے ہوتے ہیں ۔

یہ ٹھیک ہے کہ مجھے ایک انسان نے بنایا ہے مگر ذہانت کے مقابلے پر میں تمام انسانوں کو پیچھے چھوڑ چکا ہوں ، لمبے چوڑے حسابات کو میں ایک سیکنڈ میں حل کر دیتا ہوں ۔ مختلف معلومات کا ذخیرہ محض ایک بٹن دبانے سے آپ کے سامنے آ جاتا ہے ۔ میرے کی بورڈ KEY BOARD کے ایک بٹن کے ذریعے آپ دنیا کے کسی بھی کمپیوٹر سے کسی بھی قسم کی معلومات حاصل کر سکتے ہیں ۔ وہاں سے

پیغامات حاصل کر سکتے ہیں۔ آئیے اب میں آپ کو اپنے اہم پُرزوں کے بارے میں بتاؤں۔

کارٹرج CARTRIDGE :- یہ ایک پلاسٹک کیس ہوتا ہے جس میں آر او ایم (ریڈ اونلی میموری) کا چھوٹا سا پُرزہ لگا ہوتا ہے۔

چپ CHIP :- یہ سلیکون کا بنا ہوا پُرزہ ہوتا ہے جس میں ہزاروں برقی پاتھ ویز لگے ہوتے ہیں۔

ڈسک DISK :- یہ گول اور چپٹا ہوتا ہے۔ پلاسٹک کا بنا ہوا یہ "ریکارڈ" دراصل پروگرام "اسٹور" کرنے کے کام آتا ہے۔ پتلی اور لچک دار ڈسک، فلاپی ڈسک کہلاتی ہے۔

ڈسک ڈرائیو DISK DRIVE :- یہ ڈسک چلاتی ہے، یہ ڈسک پر لکھی ہوئی اطلاعات اور معلومات کو پڑھ سکتی ہے اور کبھی اس پر نئی معلومات بھی منتقل کر سکتی ہے۔

ہارڈ ویئر HARDWARE :- کمپیوٹر کے اندرونی پُرزے، کی بورڈ اور مانیٹر وغیرہ کے مجموعہ کو ہارڈ ویئر کہا جاتا ہے۔

جوائے اسٹک JOYSTICK :- یہ ایک ڈبّہ ہوتا ہے جس پر لیور لگا ہوتا ہے۔ یہ کمپیوٹر کی اسکرین پر تصویریں بنانے اور مختلف گیمز میں استعمال ہوتا ہے۔

کی بورڈ KEY BOARD :- ٹائپ رائٹر کی طرح مختلف حروف اور اعداد کا حصّہ، جیسے جیسے کی کو دبائیں گے کمپیوٹر میں سگنل جاتا رہے گا۔

مائیکرو پروسیسر MICRO PROCESSOR :- یہ چھوٹا سا چِپ کمپیوٹر کو کنٹرول کرتا ہے۔ اسے سی پی یو یعنی (سینٹرل پروسیسنگ یونٹ) بھی کہتے ہیں۔

مانیٹر MONITOR :- یہ کمپیوٹر کی اسکرین ہوتا ہے۔

ماؤس MOUSE :- یہ چھوٹی سی مشین ایک کیبل کے ذریعے کمپیوٹر سے منسلک ہوتی ہے۔ اس میں بٹن لگے ہوتے ہیں جنھیں دبانے سے کمپیوٹر مختلف کام کرتا ہے۔

پورٹ PORT کمپیوٹر کے ہارڈ ویئر اور مانیٹر رکھے جانے کی جگہ۔

پرنٹر PRINTER :- یہ کاغذ کے رول پر کمپیوٹر کی معلومات کو منتقل کرتا ہے۔

سوفٹ ویئر SOFTWARE :- کمپیوٹر پروگرام کو سوفٹ ویئر کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ڈسک اور کیرٹرج کو بھی سوفٹ ویئر کہتے ہیں۔

بابائے کمپیوٹر 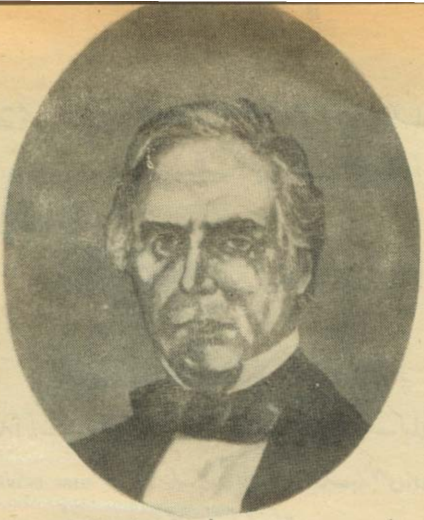 چارلس ببیج

طب کے شعبے میں آج' میں پیچیدہ ترین آپریشن میں بھی کام آتا ہوں۔ دماغ میں انتہائی چھوٹی رسولی ہو یا آنکھ میں معمولی سی خرابی، گردے میں انتہائی باریک پتھری ہو یا اعصابی نظام میں خرابی' میں چند منٹوں میں یہ سب کچھ اپنی اسکرین پر لے آتا ہوں۔ اسی وجہ سے انتہائی پیچیدہ آپریشن اب صحیح اندازے کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ معدنیات کی تلاش کا کام ہو یا ہوائی جہاز اور ریلوے کی بکنگ' میں چند سیکنڈ میں سب کچھ آپ کے سامنے لے آتا ہوں۔ اور تو اور' اب میں ہوائی جہازوں کے ڈیزائن' پروازوں کے سلسلے میں تحقیق، موسمی پیش گوئیاں بھی کر رہا ہوں۔

البتہ میں کبھی کبھار غلطی بھی کر بیٹھتا ہوں۔ ایک بار ایسا ہُوا کہ شکاگو میں میرا ایک مائیکروچِپ ایمرجنسی ٹیلیفون سسٹم خود بخود ایمرجنسی سروس کے نمبروں کو ڈائل کرنے لگا۔ مگر جب ایمرجنسی سروس کے کارکن پہنچے تو انھوں نے سب کچھ درست پایا۔ ان کارکنوں کو غصّہ تو بہت آیا ہوگا مگر انھوں نے وہ خامی درست کر دی۔

دوستو! آپ نے ایف ۱۶ طیارے کو یومِ پاکستان میں فلائی پاسٹ کرتے ضرور دیکھا ہوگا۔ آپ جانتے ہیں کہ اس طیّارے میں سارا نظام میرا ہے۔ یعنی یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ پورا طیّارہ "کمپیوٹرائزڈ" ہے۔ اس کے علاوہ ایسے ٹینک بھی ہیں جو ایک منٹ میں بارہ میزائل فائر کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ فرصت کے اوقات میں میرے مختلف کھیل ہیں جن سے آپ اپنی ذہانت کو میرے مقابل لا سکتے ہیں۔ ان میں سب سے مشہور تو ویڈیو گیمز ہیں۔ جن میں آپ "اسٹار وارز" ٹائپ کے مقابلے سے لے کر ٹیبل ٹینس اور دوسرے کھیل میری اسکرین پر بغیر کسی جسمانی تھکن کے کھیل سکتے ہیں۔

انکل آئی کیو روبوٹ

سوالاً جواباً

س:۔ ایک سال میں ۳۶۵ دن ہوتے ہیں۔ یہ تو بتائیں کہ راتیں کتنی ہوتی ہیں؟

(ملک جاوید اقبال، ڈھوک منگال، راولپنڈی)

ج:۔ چوبیس گھنٹوں میں چودہ گھنٹے دن ہوتا ہے اور باقی دس گھنٹے رات، اسی لئے سال میں جہاں ۳۶۵ دن ہوتے ہیں وہیں ۳۶۵ راتیں بھی ہوتی ہیں۔

س:۔ بند کمرے میں جہاں کوئلے جل رہے ہوں وہاں سونا خطرناک کیوں ہے؟

(حسن مہدی خراسانی، فیڈرل بی ایریا، کراچی)

ج:۔ کمرہ اگر بالکل بند ہو اور کوئلے بھی جل رہے ہوں تو اس صورت میں کمرے میں کاربن مونو آکسائیڈ گیس جمع ہو جاتی ہے۔ یہ بالکل زہریلی گیس ہوتی ہے۔ اس لئے ایسے کمرے میں سونے کا مطلب سوائے خودکشی کے اور کچھ نہیں۔ ہاں اگر کمرے میں کوئی کھڑکی کھلی ہو اور تازہ ہوا کی آمد و رفت ہو تو پھر سونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی

لئے رات کے وقت درخت کے نیچے بھی نہیں سونا چاہئے کیونکہ اس وقت درخت بھی کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس خارج کرتے ہیں۔

س:۔ انکل کتابیں کیسے چھپتی ہیں؟

(محمد اعجاز خان بابر، ایل ایم سی کالونی، جامشورو)

ج:۔ کتاب اپنے چھپنے تک کئی مراحل طے کرتی ہے۔ پہلے تو اس کے مضامین وغیرہ لکھے جاتے ہیں پھر ان کی کتابت ہوتی ہے اس کے بعد کتابت میں موجود غلطیوں کو دور کیا جاتا ہے پھر کتابت کو ایک خاص انداز میں بٹر پیپر پر چپکایا جاتا ہے پھر اس پوری شیٹ کو جسے کاپی کہتے ہیں۔ پریس لے جایا جاتا ہے جہاں دھات کی شیٹ پر کاپی کا عکس اتار لیا جاتا ہے۔ اس عمل کو پلیٹ بنانا کہتے ہیں پھر اس پلیٹ کو مشین پر کس دیا جاتا ہے اور پھر چھپائی کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ چھپ جانے کے بعد متعلقہ صفحات کو ترتیب وار فولڈ کیا جاتا ہے پھر ان کی جلد بندی ہوتی ہے اور آخر میں کتاب تیار ہو کر مختلف بک اسٹالوں پر روانہ کر دی جاتی ہے۔ جہاں ہم اور آپ اسے خرید لیتے ہیں۔

س:۔ کمپیوٹر کے تعلیمی فوائد بتائیں؟

(طارق رحیم، ناظم آباد، کراچی، سید عاطف امام، فیڈرل بی ایریا، کراچی)

ج:۔ کمپیوٹر کے بے شمار تعلیمی فوائد ہیں۔ یہ مختلف معلومات کا ریکارڈ رکھ سکتا ہے۔ مختلف خاکے اور ڈائیگرام کو اب کمپیوٹر کی اسکرین پر نہایت آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف قسم کے گیمز بھی کمپیوٹر کے ذریعے کھیل کر آپ اپنے فالتو اوقات کو بہت اچھی طرح گزار سکتے ہیں۔

س:۔ غم کی کیفیت میں انسان کی آنکھ سے آنسو کیوں نکلتے ہیں؟

عبدالرزاق ندیم، نیو کراچی، کراچی۔

ج:۔ بھئی انسان جذبات و احساسات سے عاری مشین تو ہے نہیں جسے غم یا خوشی کا احساس نہ ہو۔ جب ہم خوش ہوتے ہیں تو ہماری جسمانی مشینری میں کچھ کیمیائی اجزا کا بہاؤ شروع ہو جاتا ہے جو ہمیں خوشی اور ہنسی کا احساس دلاتا ہے۔ اور انسان پر ایک قسم کی سرمستی کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب ہم اداس ہوتے ہیں یا کوئی اچانک صدمہ ہوتا ہے تو جسم میں موجود دوسرے کیمیائی اجزا کا بہاؤ پھر شروع ہو جاتا ہے جو ہمیں غم کا احساس دلاتے ہیں۔ جس سے ہماری آنکھ سے پانی جسے ہم آنسو کہتے ہیں گرنے لگتا ہے۔ اور یوں ہمارا رونا شروع ہو جاتا ہے دراصل یہ سب ہمارے احساسات کی بدولت ہوتا ہے۔ ہمارے حسی اعضا ہمیں ہر وقت خوشی غمی، دکھ اور راحت کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔

صرف پاگل ہی خوشی اور غمی کے احساس سے عاری ہوتے ہیں۔

س:۔ دھواں اُوپر کیوں اُٹھتا ہے۔ اور اس پر کششِ ثقل کیوں اثر نہیں کرتی؟،

سونیا حیدر، سیٹلائیٹ ٹاؤن، راولپنڈی

ج:۔ دُھواں دراصل ہوا سے ہلکا ہوتا ہے اس لئے یہ ہمیں اُوپر اُٹھتا دکھائی دیتا ہے اور آہستہ آہستہ یہ ہوا میں تحلیل ہوجاتا ہے ہلکا ہونے کی بنا پر ہی کششِ ثقل اس پر اثر نہیں کرتی۔

س:۔ پانی کس درجہ سینٹی گریڈ پر اُبلتا ہے؟ (نامعلوم)

ج پانی کا نقطۂ جوش سو درجہ سینٹی گریڈ ہے۔ اس درجۂ حرارت پر پانی میں موجود جراثیم مرجاتے ہیں۔ اسی لئے اگر پانی اُبال کر پیا جائے تو یہ انسانی صحت کے لئے زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ آپ نے ڈاکٹروں کے کلینک پر دیکھا ہوگا کہ ایک برتن میں ہر وقت پانی کھولتا رہتا ہے جس میں سرنج ڈال کر یا دوسرے اوزار ڈال کر اُسے اسٹرلائز کرلیا جاتا ہے۔ تاکہ انجکشن لگاتے وقت یا چھوٹے موٹے زخموں کی چیر اپھاڑی کے دوران جسم میں جراثیم نہ داخل ہوسکیں۔

س:۔ انکل کمپیوٹر کس کی ایجاد ہے؟

(کاشف آزاد، موہن پورہ، راولپنڈی، پرنس وسیم بن اشرف، میاں چنوں۔

ج:۔ ایک امریکی انجنیئر نے کمپیوٹر ۱۹۳۰ء میں بنایا تھا۔ اس امریکی کا نام VANNEVAR BUSH تھا۔ ویسے انیسویں صدی میں ایک برطانوی ریاضی داں CHARLES BABBAGE نے ایک ایسی مشین کا ڈیزائن بنایا تھا جو مختلف معلومات کا ذخیرہ کرسکے۔

س:۔ خون کا عطیہ دینے سے انسان کمزور کیوں نہیں ہوتا؟

ندیم آفاق، ملیر کالونی، کراچی

ج:۔ پہلی بات تو آپ یہ یاد رکھیں کہ خون کا عطیہ جسمانی لحاظ سے کمزور آدمی نہیں دیتے بلکہ جسمانی لحاظ سے تندرست آدمی ہی خون دیتے ہیں۔ ڈاکٹروں کے مطابق ایک تندرست آدمی ہر تین ماہ بعد اپنے خون کا عطیہ دے سکتا ہے۔ اس سے اس کی صحت کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ خون کا عطیہ دینے کے بعد جسم میں نیا خون بنتا ہے اور اس طرح خون کی کمی دور ہوجاتی ہے لہٰذا یہ کہنا کہ خون کا عطیہ دینے سے آدمی کمزور ہوجاتا ہے غلط ہے۔

چاند نگر سے خط آیا ہے

(ایک نظم جو بی بی سی سے نشر ہوئی اور آنکھ مچولی کو سعدیہ صدیقی نے ارسال کی۔)

چاند نگر سے خط آیا ہے — دیکھنا اس میں کیا لکھا ہے
اس میں لکھا ہے اے بچو — میں آکاش پہ بیٹھا بیٹھا
تم سب لوگوں کی دُنیا کو — خاموشی سے دیکھ رہا ہوں
چاند نگر سے خط آیا ہے — دیکھنا اس میں کیا لکھا ہے
اس میں لکھا ہے یہ دنیا — پہلے کتنی پیاری پیاری
نیلی برف کے گولے جیسی — سُندر سی اچھی لگتی تھی
چاند نگر سے خط آیا ہے — دیکھنا اس میں کیا لکھا ہے
اس میں لکھا ہے اے بچو — اب یہ خون کی رنگت جیسی
اب یہ آگ کے شعلوں جیسی — لال نظر آیا کرتی ہے
چاند نگر سے خط آیا ہے — دیکھنا اس میں کیا لکھا ہے
اس میں لکھا ہے دنیا کو — کیوں تاریکی نے گھیرا ہے
نفرت کی گھنگھور گھٹا کا — کیوں کالا بادل چھایا ہے
چاند نگر سے خط آیا ہے — دیکھنا اس میں کیا لکھا ہے
اس میں لکھا ہے اے بچو — پیار کے روشن دیے جلاؤ
چاہے میں پڑ جاؤں ماند — فقط تمہارا پیارا چاند
چاند نگر سے خط آیا ہے — دیکھنا اس میں کیا لکھا ہے

ام رباب جعفری

دائرۂ معلومات

شرکت کا طریقۂ کار۔ ہر سوال کا جواب ذیل میں دیے گئے چار اشاروں کی مدد سے دینا ہوگا۔ آپ کی سہولت کے لیے ہم نے ہر سوال کا درست جواب دائرے میں ہی کہیں لکھ دیا ہے اور کچھ اضافی نام بھی ساتھ ہی لکھ دیے ہیں، جن کا سوال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مقابلے میں شرکت کا طریقہ یہ ہے کہ آپ دائرے میں موجود درست جواب پر نیلے بال پوائنٹ سے اس کا سوال نمبر ڈال دیجئے اور اصل دائرہ کاٹ کر ہمیں ارسال کر دیجیے۔ ساتھ ہی ایک جانب اپنا نام اور مکمل پتہ ضرور لکھیے۔ ادارے کی سہولت کے لیے ایک سادہ کاغذ پر بھی ترتیب وار درست جوابات لکھ دیجیے، اس طرح ہمیں آپ کے جوابات کا درست حل سے موازنہ کرنے میں آسانی رہے گی۔ جوابات وصول ہونے کی آخری تاریخ ۲۰، مئی ہے۔ دائرے کے بغیر جواب قابلِ قبول نہیں ہوں گے۔

① انبیائے کرام	(i) ابوالبشر (ii) مسجود ملائک (iii) حضرت شیثؑ (iv) صفی اللہ
② صحابہ کرام	(i) سورۂ احزاب (ii) حضرت زینب بنتِ جحشؓ (iii) سریہ موتہ (iv) حضرت اسامہؓ
③ تاریخ اسلام	(i) نعمان بن ثابتؒ (ii) کوفہ (iii) امام ابویوسف (iv) ۱۵۰ھ
④ تاریخ پاک وہند	(i) ابوالحسن علی (ii) لاہور (iii) کشف المحجوب (iv) ۱۹، صفر
⑤ تحریک پاکستان	(i) بجنور (ii) قراردادِ مقاصد (iii) ۱۹۴۹ء (iv) اسلامیہ کالج کراچی
⑥ پاکستان کی عظیم شخصیات	(i) ۱۸۹۳ء (ii) وزیر اعظم (iii) بیروت (iv) ۱۹۶۴ء
⑦ پاکستان کے شہر	(i) یونین جیک (ii) یکم ستمبر ۱۹۷۷ء (iii) گھنٹہ گھر (iv) مانچسٹر
⑧ عالم اسلام (شخصیات)	(i) ۱۹۲۸ء (ii) شام (iii) ۱۹۷۱ء (iv) بعث پارٹی
⑨ عالم اسلام (ممالک)	(i) بن غازی (ii) ۲۴ دسمبر ۱۹۵۱ء (iii) تیل (iv) ۱۹۶۹ء
⑩ دنیا کے بڑے شہر	(i) قسطنطنیہ (ii) توپ کاپی (iii) مسجد آیا صوفیہ (iv) حضرت ابوایوب انصاریؓ
⑪ عالمی شخصیات (۱)	(i) امریکہ (ii) صدر (iii) دوسری جنگِ عظیم (iv) ۱۹۴۵ء

(۱۲) عالمی شخصیات (۲)	(i) پرتگال	(ii) ۱۴۹۷ء	(iii) کالی کٹ	(iv) کوچین
(۱۳) مشہور خواتین	(i) جولیس سیزر	(ii) مصر	(iii) قالین	(iv) انطونی
(۱۴) مسلم سائنسدان	(i) القانون	(ii) ۸۷۰ء	(iii) ستر زبانیں	(iv) ۹۵۰ء
(۱۵) سائنس کی دنیا	(i) ۱۷۲۳ء	(ii) آکسیجن	(iii) انقلاب فرانس	(iv) ۱۸۰۴ء
(۱۶) مشہور کھلاڑی	(i) غربُ الہند	(ii) ٹرپل	(iii) ۳۶۵ رنز	(iv) ۱۹۳۶ء
(۱۷) عالمی ادب	(i) جرمن	(ii) فاوسٹ	(iii) ویمیر	(iv) پیام مشرق
(۱۸) اردو ادب	(i) ۱۹۱۲ء	(ii) مولپیاں	(iii) گنجے فرشتے	(iv) ۱۹۵۵ء
(۱۹) علاقائی ادب	(i) ۱۶۹۲ء	(ii) قصور	(iii) قانونِ عشق	(iv) ۱۷۵۸ء
(۲۰) فنون لطیفہ	(i) ۱۵۶۴ء	(ii) اٹلی	(iii) مجسمہ ساز	(iv) سینٹ پیٹر کیتھڈرل

دائرہ معلومات مارچ ۱۹۸۸ء کا درست حل

(۱) حضرت داؤدؑ (۲) حضرت حسان بن ثابتؓ (۳) امام بخاریؒ (۴) سیّد احمد شہید

(۵) چوہدری رحمت علی (۶) سورش کاشمیری (۷) راولپنڈی (۸) جمال الدین افغانی

(۹) متحدہ عرب امارات (۱۰) روم (۱۱) لارڈ بیڈن پاول (۱۲) کرسٹوفر کولمبس

(۱۳) محترمہ فاطمہ جناح (۱۴) البیرونی (۱۵) نیوٹن (۱۶) بریڈمین

(۱۷) ڈینیل ڈیفو (۱۸) میر انیس (۱۹) خواجہ غلام فرید (۲۰) لیونارڈو ڈاونچی

۳ خوش نصیب ساتھی، جو بذریعہ قرعہ اندازی انعام کے حقدار قرار پائے

(۱) عائلہ ناہید ——— ناظم آباد نمبر ۵، کراچی

(۲) معراج سعادت ——— لطیف آباد، حیدرآباد

(۳) تصویر زہرا ——— لیاقت روڈ، راولپنڈی

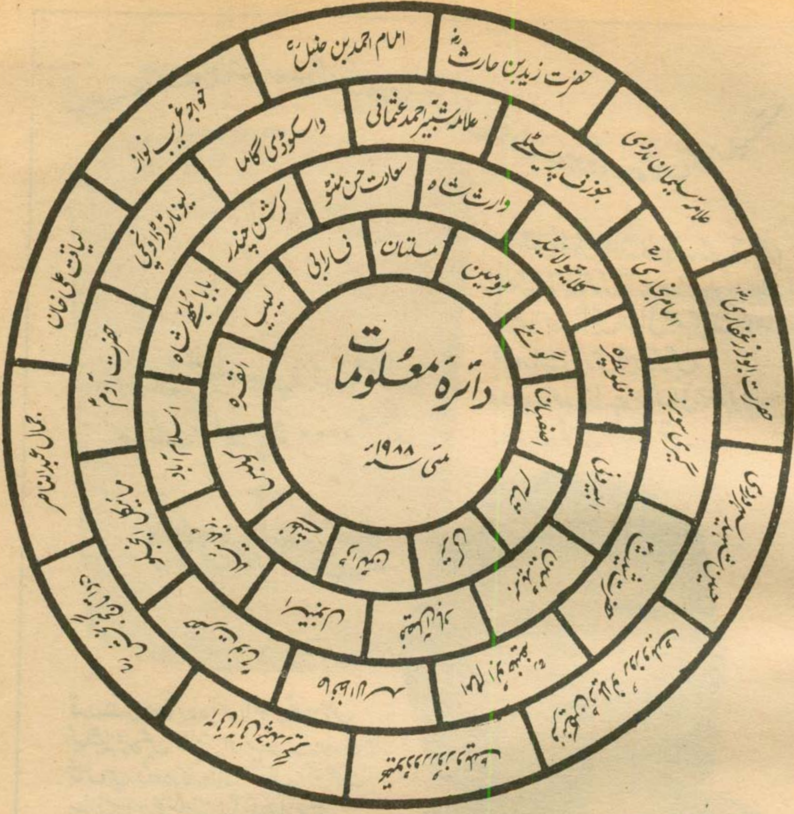

درست جوابات ارسال کرنے والے ذہین ساتھیوں کے نام

انیقہ صدف، شاہی بازار حیدرآباد،
ذیشان احمد، تحصیل بازار، بہاولنگر
سارہ سجاد، نوتیہ روڈ، پشاور
محمد بہرام خان، کراچی، نمبر ۱۸
کھتری محمد رفیق راہی، حیدرآباد
وقاص عزیز، ریل بازار فیصل آباد
جمال حید بنگش، مردان

ندیم کریم، شاہی بازار حیدرآباد
محمد نصیر، مصریال روڈ، راولپنڈی
نعمان اعجاز، گلشن اقبال، کراچی
عبدالمتین، ایف بی ایریا، کراچی
ظفر اقبال سومرو، قادربخش ساند
عبداللہ ریاض، طلحہ ریاض، کراچی
حریم ناز، گلبرگ، کراچی

امینہ یونس، ناظم آباد، کراچی
سحر ناز، چوہنگ، لاہور
شفیق الرحمٰن، حالی نگر حیدرآباد
شجاع احمد قریشی، کراچی۔
سید جاوید حیدر شاہ، راولپنڈی
محمد سعد فیصل، محمد سلمان حمزہ، رحیم یار خان
حامد علی شاہد، لاوہ چکوال

ہو میرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت۔ جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت
مستقبل کی بڑی ذمّہ داریوں کے لئے ابھی
سے اپنے ذہن کو تروتازہ اور جسم کو توانا رکھئے
غیر متوازن غذائیں انسانی جسم کی تمام
ضروریات پوری نہیں کرتیں۔
دودھ واحد غذا ہے جو انسانی جسم کو زیادہ
سے زیادہ قوّت فراہم کرتی ہے۔
سارے خواب پورے ہوں
سارے سُکھ پاؤ .... مگر
دُودھ تو پیو
قدرت کی عطا کردہ اِس انمول نعمت میں
کیلشیم، پروٹین، وٹامنز اور بہت سے معدنی اجزا
شامل ہیں۔ دُودھ کا روزانہ استعمال۔ اچھی صحت،
بیدار ذہن اور خوشگوار زندگی کی ضمانت ہے
دن میں دو بار دودھ پینا اپنی عادت بنا لیجئے۔
چاہیں تو دُودھ میں چاکلیٹ
یا شربت ڈال کر پی سکتے ہیں۔
یوں گویا۔
غذا کی غذا
مزے کا مزا
اشتہار برائے بہبودِ اطفال: منجانب ماہنامہ آنکھ مچولی، کراچی

MASS

محمدّ امین سیف الملوک، سانگھڑ
کاشف شکور غزل، سانگھڑ
خرم عبدالمجید بٹ، کراچی
کاشف شمیم، آگرہ تاج، کراچی
محمد سلیمان میمن، گلبہار، کراچی

حمیرا میرا شکور غزل، سانگھڑ
نابغہ ناز، اقبال نگر، فیصل آباد
مقصود احمد صدیقی، اورنگی، کراچی
شارق شمیم، آگرہ تاج، کراچی،
سیّد عاطف امام، کراچی

غلام مرتضیٰ، حیدرآباد
جاوید اقبال ناز، فیصل آباد
حسن مہدی خراسانی، کراچی
خادم حسین بلوچ، حیدرآباد
سلطانہ رحیم، ناظم آباد، کراچی

ایک غلط جواب ارسال کرنے والے ساتھیوں کے نام

عنبرین ہاشمی، الیف بی ایریا، کراچی
روبینہ احمد، لیاقت آباد، کراچی
جاوید احمد، لیاقت آباد، کراچی
محمدّ حامد بلال، کراچی
حمیرا فلک ناز مریم، کراچی
احمد عزیز بلوچ، سرگودھا،

محمد زبیر، مسلم ٹاؤن، لاہور
عادل مجید سونی، کراچی،
مقصود احمد، لیاقت آباد، کراچی
ساجد جمیل، لانڈھی، کراچی
شاہ کریم عطاء، دستگیر، کراچی
محمدّ انجم آرزو، سانگھڑ

محمدّ انور میمن، شاہ پور چاکر
غلام حسین میمن، حیدرآباد
زاہد محمود، لیاقت آباد، کراچی
محمد جاوید، لیاقت آباد، کراچی
ندیم قدیر، لیاقت آباد، کراچی
وردہ مظفر حسن، دستگیر، کراچی

حق اسکواڈ

ماہنامہ آنکھ مچولی کا مقبول ترین سلسلۂ تحریر
اخلاق احمد کی مہماتی کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ

کتابی صورت میں شائع ہوگیا ہے۔ قریبی بک اسٹال سے طلب کریں

- برائیوں سے برسرِ پیکار ۴ کمسن مجاہدوں کے کارنامے ۔
- ذہانت اور شجاعت سے بھرپور حیرت انگیز واقعات ۔
- خوبصورت اسکیچز ـــ بہترین کتابت ـــ اعلیٰ طباعت
- حسین سرورق اور ۱۰۰ سے زائد صفحات ۔

قیمت صرف ۱۰ روپے

- ـــ حق اسکواڈ کے حصول کے لئے ۱۰ روپے کا منی آرڈر بھجوادیں ۔
- ـــ دوکاندار اور ایجنٹ حضرات آرڈر سے مطلع کریں ۔

پتہ ماہنامہ آنکھ مچولی گرین گائیڈ اکیڈمی ڈی۔ ۱۱۲ سائٹ کراچی نمبر ۱۶

نئی تحریریں

ہم بنے کپتانو

ابنِ مفرح، مردان

ویسٹ انڈیز کے کرکٹ کپتان ویوین رچرڈ کے چہرے پر اس وقت پسینہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ اور اس کے پیر کپکپا رہے تھے اس کی یہ حالت ہونی ہی تھی کیونکہ اس وقت وہ بیٹنگ کرنے کے لئے وکٹ پر کھڑا تھا۔ اور .... بولنگ کرنے کے لئے بال ہمارے ہاتھ میں تھی۔ وہ ہماری پچھلی پانچ گیندوں کی وجہ سے بد حواس تھا۔ ہر گیند پر وہ آؤٹ ہونے سے بال بال بچا تھا اور اب ہم اپنے اوور کی آخری گیند پھینکنے کے لئے اسٹارٹ لے رہے تھے۔ آخر ہم نے گیند پھینک دی۔ ویوین نے بڑے محتاط ہو کر اسے کھیلنے کی کوشش کی لیکن .... اگلے ہی لمحے درمیانی وکٹ دو ٹکڑے ہو کر ہوا میں اچھلی اور تماشائیوں نے کھڑے ہو کر اتنی پُرزور تالیاں بجانی شروع کر دیں کہ کان کے پردے پھٹنے سے بال بال بچے۔ جاوید میانداد اور وسیم اکرم وغیرہ ہماری طرف لپکے اور ہمیں کاندھوں پر اُٹھا کر تقریباً ناچتے ہوئے پویلین میں داخل ہو گئے۔ ہماری اس شاندار بولنگ کی وجہ سے پاکستان، ویسٹ انڈیز سے وہ میچ ایک رن سے جیت گیا۔ جیسے ہی ہم پویلین میں داخل ہوئے۔ شائقین کی بڑی تعداد ہاتھوں میں آٹوگراف بک لیے ہمارے اُوپر ٹوٹ پڑی ہم نے مسکرا کر سب کو آٹوگراف دیئے۔

تمام تقریبات سے فارغ ہو کر ہم خوش خوش اپنے گھر پہنچے والدین اور بہن بھائیوں سے مبارکباد

وصول کرنے کے بعد ہم سیدھے اپنے مخصوص کمرے کی طرف بڑھے اور الماری سے ایک چراغ نکال کر جلدی سے اُسے اپنے ہاتھ سے رگڑا۔ فوراً ہی کمرہ دھوئیں سے بھر گیا اور چراغ کا بوڑھا سا جن ہاتھ باندھے نمودار ہوا۔ اور اپنی "سریلی آواز" میں پوچھا "کیا حکم ہے میرے آقا؟"

"ارے حکم کو مارو گولی، ہم تو تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتے تھے۔ تمہاری وجہ سے نہ صرف ہم پاکستان کرکٹ ٹیم کے کپتان بن گئے ہیں بلکہ آج اپنی تیز رفتار بولنگ کی وجہ سے ویسٹ انڈیز کی ٹیم کا جلوس نکال کر انہیں عبرت ناک شکست سے دوچار کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں"۔ ہم نے جن کی طرف تشکرانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا

"اوہ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے آقا۔ آپ حکم تو کریں یہ ساری دنیا آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دوں"۔

"نہیں نہیں دنیا کو رہنے دو" ہم نے اِس ڈر سے پیچھے ہٹتے ہوئے اس کی پیشکش ٹھکرادی کہ اگر اس نے واقعی پوری دنیا اٹھا کر ہمارے قدموں میں ڈھیر کر دی تو نجانے ہمارا کیا حال ہو جائے۔ "تم نے ہماری یہ خواہش تو پوری کر دی کہ ہمیں پاکستانی کرکٹ ٹیم کا کپتان بنادیا اب اگر ہماری دوسری خواہش بھی پوری کر سکو تو ہم تمہیں اپنی غلامی سے آزاد کر دیں گے"۔

"آپ حکم کریں آقا" جن نے خوشی سے لہک کر دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔

"ہماری دوسری خواہش یہ ہے کہ تم ہمیں پرستان کی سیر کراؤ"۔ ہماری بات سن کر جن خوفزدہ ہو کر بولا "نہیں ..... نہیں میرے آقا میں آپ کو وہاں نہیں لے جا سکتا۔ وہاں میرے خالو کی خالہ کی بھتیجی رہتی ہے اور وہ میری سخت دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ وہ مجھ پر حملہ کر کے آپ کو یا مجھے کوئی نقصان پہنچا دے"۔ اس کی بات سن کر ابھی ہم کچھ کہنے ہی والے تھے کہ دفعتاً جن نے کچھ حوصلہ مندانہ لہجے میں کہا "لیکن خیر میں آپ کو وہاں ضرور لے جاؤں گا۔ اپنی غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کے لئے چاہے مجھے موت ہی کو کیوں نہ گلے لگانا پڑے"۔ ہمیں یہ بالکل کسی فلم سے چرایا ہوا ڈائیلاگ لگا۔ خیر ہم اس کے ساتھ چلتے ہوئے چھت پر جا پہنچے۔

جن نے ہمارا ہاتھ پکڑا اور ہم آہستہ آہستہ فضا میں بلند ہونے لگے۔ جب بہت بلند ہوئے تو شہر کی بلند و بالا عمارت بالکل نقطوں کی طرح نظر آنے لگیں۔ پھر جن کی رفتار اتنی تیز ہوگئی کہ ہم نے جلدی سے ڈر کے مارے اپنی آنکھیں سختی سے موند لیں۔ پھر اس کی رفتار جب کچھ کم ہوئی تو ہم نے ڈرتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔

اُف! ..... کتنا خوبصورت اور دل لبھا دینے والا منظر تھا وہ۔ جن نے کہا کہ ابھی تو پرستان کی سرحد ہی شروع ہوئی ہے۔ پرستان تو بالکل جنت کا نمونہ ہے۔ ہم ابھی ان خوبصورت مناظر کو صحیح طور... سے اپنی آنکھوں میں سما بھی نہ سکے تھے کہ اچانک جن صاحب لرزنے لگے اور فضا میں عجیب بھاری پن اور لرزہ سا طاری ہوگیا۔ ہم نے ڈرتے ڈرتے آگے دیکھا تو بے ہوش ہوتے ہوتے بچے۔ اُف! کتنی بھیانک شکل تھی، اس چڑیل کی۔ آنکھیں یوں لگ رہی تھیں، جیسے دو سُرخ سلگتے ہوئے انگارے ہوں، دانت اس کے دو دو فٹ لمبے اور باہر نکلے ہوئے تھے۔ ناخن یوں تھے جیسے کوئی تیز دھار تلوار ہو۔ اس نے میرے غلام جن پر اچانک حملہ کردیا اور وہ بیچارہ ڈر کے مارے صرف اتنا ہی کہہ سکا "معاف کردے مجھے لے میرے خالو کی خالہ کی بھتیجی" لیکن خالو کی خالہ کی بھتیجی اتنی رحمدل نہ تھی کہ اپنے دیرینہ دشمن کو معاف کردیتی اس نے اپنے تلوار نما ناخن جن کے نرخرے پر رکھ دیئے۔ جن صرف گھگھیا کر ہی رہ گیا اور ..... پھر ایک بھیانک چیخ مارتا ہوا اس جہانِ فانی سے کوُچ کر گیا۔ اس کے مرتے ہی خالو کی خالہ کی بھتیجی نے ہمیں اپنے ناخنوں میں پرو دیا۔ ہم درد کی شدّت سے تلملا کر چیخ اُٹھے، اس نے بڑی بے دردی سے ہمیں اپنے ناخنوں ہی کے بل پر اُوپر کی طرف اچھال دیا۔ اور ہم قلابازیاں کھاتے ہوئے تھوڑا سا اُوپر جانے کے بعد ریورس کرتے ہوئے لٹو کی طرح گھومتے ہوئے نیچے کی طرف گرنے لگے۔ ہم زمین سے ٹکرانے ہی والے تھے کہ ہم نے اپنی باجی کی گرجتی ہوئی آواز سُنی۔

"اُٹھو نیندو کے بچے تمہاری نیند کب ختم ہوگی" ہم آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھے تو دیکھا کہ ہم بستر کے عین نیچے فرش پر کسی درویش کی طرح پاؤں پھیلا کر بڑی بے نیازی سے پڑے ہوئے ہیں۔

"یہ تم سوتے میں اتنے چیخ کیوں رہے تھے؟" باجی نے گھورتے ہوئے پوچھا۔ بستر کے نیچے پڑے ہونے کے بارے میں انہوں نے کچھ نہ پوچھا..... کیونکہ ..... یہ تو ہمارا روز کا معمول ہے۔

"وہ ..... جی ..... مم .... میں ...." ہم نے ہکلاتے ہوئے ... انہیں اپنا وہ خواب سُنایا۔ جس کی ابتدا تو بہت ہی خوبصورت تھی لیکن انتہا اتنی ہی خطرناک اور بدصورت تھی۔ خواب ... سُن کر باجی نے ایک طویل قہقہہ لگایا، اور زور سے

ہنستے ہوئے بولیں "اچھا تو جناب نیند و صاحب آپ کپتان بن گئے ہیں" بس وہ دن اور آج کا دن۔ اب ہر کوئی ماہ دولت کو دیکھتے ہی یہ نعرہ لگانا اپنا فرض سمجھتا ہے۔

"ان سے ملیئے یہ ہیں ہمارے ملک کے مایہ ناز اور عظیم کرکٹر جناب کپتانو صاحب" اور اس وقت ہم اس گھڑی کو کوسنے لگتے ہیں جب ہم نے وہ خواب اپنی باجی کو سنایا تھا۔ ارے مگر ہم تو یہ خواب آپ کو بھی سنا بیٹھے۔ مگر دیکھیئے۔ آپ ہمیں سب کی طرح کپتانو صاحب کہہ کر مت پکاریئے گا!

ایک گونگا تین بہرے

مکیش کرن ——— سکھر

ایک بہرا جنگل میں بکریاں چرا رہا تھا اُسے سخت بھوک لگ رہی تھی مگر اُس کی بیوی اب تک کھانا لے کر نہیں آئی تھی اُس کے ساتھ ہی ایک دوسرا آدمی بیٹھا گھاس کاٹ رہا تھا وہ شخص بھی بہرا تھا۔ پہلے بہرے شخص نے کہا "بھائی، میری بیوی میرے لیے کھانا نہیں لائی مجھے بھوک لگ رہی ہے آپ میری بکریوں کی حفاظت کریں میں جب تک گھر سے کھانا کھا آتا ہوں۔"

دوسرا بہرا سمجھا کہ یہ مجھ سے اپنی بکریوں کے لیے گھاس مانگ رہا ہے اُس نے کہا "نہیں میں گھاس نہیں دُوں گا۔"

پہلا بولا "میں بہت جلد واپس آجاؤں گا، تم فکر نہ کرو۔"

دوسرا بولا "یہ گھاس میں نے اپنی بکریوں کے لیے کاٹی ہے۔ میں یہ گھاس تمھیں نہیں دُوں گا۔"

پہلا سمجھا کہ دوسرا کہہ رہا ہے، تم جاؤ۔ وہ چلا گیا۔ جب وہ کھانا کھا کر واپس آیا تو اُس نے اپنی بکریاں دیکھیں، جو پوری تھیں اور وہ آدمی بدستور گھاس کاٹ رہا تھا۔ اُس نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر یہ چاہتا تو میری ساری بکریاں لے جاتا مگر شریف آدمی لگتا ہے کیوں نہ میں اسے اپنی لنگڑی بکری تحفے میں دے دُوں۔ وہ اپنی لنگڑی بکری لے کر اُس آدمی کے پاس گیا اور کہا "تم نے میری بکریوں کی حفاظت کی ہے اس لیے میں یہ بکری تمھیں تحفے میں دیتا ہوں لیکن یہ بکری لنگڑی ہے۔"

دوسرے بہرے نے کہا "میں نے اس بکری کی ٹانگ نہیں توڑی۔"

پہلا بہرا بولا "میں یہ بکری تمھیں خوشی سے دے رہا ہوں لے لو۔"

دوسرا بہرا بولا "میں نے تمھاری بکری کی ٹانگ نہیں توڑی۔" اسی دوران سامنے سے ایک شخص آتا دکھائی دیا وہ شخص بھی بہرا تھا دونوں بہروں نے اُسے روکا۔ تیسرا بہرا شخص گھوڑے سے اُتر آیا۔

پہلے بہرے نے کہا "میں اسے یہ بکری دے رہا

ہوں مگر یہ نہیں لے رہا ہے۔"

دوسرا بہرہ بولا "اس بکری کی ٹانگ میں نے نہیں توڑی۔"

تیسرا شخص بولا "ہاں تم دونوں ٹھیک کہہ رہے ہو' یہ گھوڑا میں نے چوری کیا ہے میں یہ تمھیں واپس دیتا ہوں مجھے معاف کردو۔" انھوں نے سامنے سے ایک لمبی سفید داڑھی والے بوڑھے کو آتے دیکھا تو تینوں اُس کے پاس گئے۔

پہلا بولا "باباجی! میں کھانا کھانے گیا اس نے میری بکریوں کی حفاظت کی' اس لیے میں اُسے اپنی ایک بکری دے رہا ہوں مگر یہ نہیں لے رہا ہے۔"

دوسرا بہرا بولا "میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ میں نے بکری کی ٹانگ نہیں توڑی، مگر یہ مانتا ہی نہیں۔"

تیسرا بہرا بولا "میں مانتا ہوں کہ میں نے چوری کی ہے اور یہ گھوڑا تمھارا ہے لیکن آپ لوگ مجھے معاف کردیں میں آئندہ چوری نہیں کروں گا۔ بوڑھا شخص تینوں کو غور سے دیکھنے لگا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ انھیں گھور کر دیکھنے لگا۔ وہ سمجھے یہ کوئی جادوگر ہے' جو اُن پہ جادو کرنا چاہتا ہے۔ وہ تینوں اپنی اپنی چیزیں لے کر بھاگ گئے ۔۔۔!

ہائے وہ دس روپے

صاعقہ بانو، کراچی

ہماری کزن کے گھر جمعرات کو میلاد تھا جس میں ہم نے بھی شرکت کی۔ لیکن جمعہ کے روز ہمارا جھگڑا بہنوں

سے ہوگیا جس کی بنا پر ہمیں اکیلے ہی آنا پڑا۔ دوپہر کا وقت تھا اور سڑکیں سنسان، ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ ہم ٹہلتے ہوئے چلے جارہے تھے کہ ہماری نظر راستے میں پڑے ہوئے دس روپے کے نوٹ پر پڑی۔ ہم نے پہلے دائیں دیکھا پھر بائیں۔ اس کے بعد آگے دیکھا پھر پیچھے۔ پھر اُوپر دیکھا پھر نیچے۔ ہر طرف امن وامان تھا اور کسی ذی روح کے آنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ ہم نے آہستگی سے پہلا قدم اٹھایا، پھر دوسرا، پھر تیسرا، پھر چوتھا۔ مگر یہ کیا ہمیں فوراً رک جانا پڑا کیونکہ سامنے سے ایک عورت بڑی تیزی سے آرہی تھی۔ شاید نوٹ کو دیکھ کر آرہی تھی ہمیں دیکھ کر وہ بھی ٹھٹک گئی اور شرمندہ ہوکر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ پھر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھ گئی (دل ہی دل میں تو ہمیں کوس رہی ہوگی) ہم نے مڑ کر دیکھا تو وہ عورت ہمیں کھاجانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے ایک گلی میں مڑ رہی تھی۔

"چلو خیریت گزری"۔ ہم نے سوچا اب ہم نے بہت احتیاط سے ..... سے کام لیتے ہوئے یہ کیا کہ دُور دُور تک جاکر دیکھ آئے کہ کہیں کوئی آتو نہیں رہا۔ ہماری خوش قسمتی کہ دُور دُور تک آدم تھا نہ آدم زاد!

اچھی طرح اطمینان کرنے کے بعد ہم مطمئن ہو کر لوٹ آئے پہلا قدم نہایت احتیاط کے ساتھ بڑھایا پھر دوسرا پھر تیسرا چوتھا قدم بڑھاتے ہی ہمیں ایک مرتبہ پھر رک جانا پڑا۔ کیونکہ ایک بچہ تقریباً دوڑتا ہوا نوٹ کی طرف آ رہا تھا۔

"بچوں کا کیا بھروسہ یہ بچہ تو ضرور دس کا نوٹ اٹھا لے گا" ہم نے پریشان ہو کر سوچا اور لگے اپنے آپ کو کوسنے کہ اگر جلدی اٹھا لیتے تو کیا ہو جاتا؟ مگر یہ کیا؟ بچے نے گیند اٹھائی اور دوڑتا ہوا جس طرف سے آیا تھا، اسی طرف چلا گیا۔ شاید جلدی میں اس کی نظر نوٹ پر نہیں پڑی تھی۔ اور پریشانی میں ہماری نظر گیند پر نہیں پڑی تھی۔ ہم نے سوچا کہ جلدی جلدی قدم اٹھاتے ہوئے جائیں یہ سوچتے ہی ہم تیز تیز قدم اٹھانے لگے۔ اب ہماری منزل صرف دو قدم کے فاصلے پر تھی اور یہ دو قدم بھی طے ہو گئے۔ ہم نوٹ اٹھانے کے لئے جھکے ہی تھے کہ نجانے کون سی بلا نازل ہو گئی۔ وہ ایک موٹا سا آدمی تھا اور لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچاتے ہوئے کہہ رہا تھا "اٹھالو، اٹھالو!"

ہم گھبرا کر چار پانچ قدم پیچھے ہٹ گئے۔ اور بوکھلا کر پوچھا "کیا آپ کا ہے یہ نوٹ؟" اس نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر آپ اس طرح جرح کے انداز میں کیوں کہہ رہے تھے" ہم بھی طیش میں آ گئے۔

"اتنی دور سے دوڑ کر آ رہا تھا، آخر" اس نے بھی غصے سے جواب دیا۔

"دوڑتے ہوئے آ رہے تھے کم بخت! یا لڑھکتے ہوئے۔ فٹ بال کہیں کا" ہم... جھلا کر صرف سوچ کے ہی رہ گئے۔

"ہونہہ!.... آ جاتے ہیں، پتہ نہیں کہاں سے" موٹے فٹ بال نے جھنجھلا کر کہا۔ اس سے پہلے کہ ہم کوئی کارروائی کرتے، پتہ نہیں کون ہم سے آ ٹکرایا۔ غصے سے جھلا کر مڑے تو مجبوراً مسکرانا پڑا کیونکہ وہ ہماری دوست انیلا تھی۔

"یہ بلا کہاں سے نازل ہو گئی؟" ہم نے دل ہی دل میں سوچا۔

"ہائے..... کیسی ہو صاعقہ؟" انیلا بھی مجبوراً مسکرا کر بولی۔ نظریں نوٹ کی طرف تھیں۔

"ٹھیک ہوں۔ تم کہاں جا رہی ہو؟" ہم اُسے جلدی دفع کرنے کے خیال سے بولے۔

"گھر جا رہی ہوں، تم کہاں جا رہی ہو" اُس نے جواب دینے کے ساتھ ساتھ سوال بھی کر ڈالا۔

"میں بھی گھر جا رہی ہوں" ہم نے بادلِ نخواستہ بتایا۔

"اچھا چلو تم بھی اور میں بھی خدا حافظ!" اُس نے کہا۔

"خدا حافظ" ہم نے بھی رسمِ دنیا نبھائی۔ ہم دونوں پیٹھ موڑ کر چلنے لگے۔ تقریباً دس بارہ قدم آگے بڑھنے کے بعد ہم نے تیزی سے پیچھے مڑ کے دیکھا اور عقاب کی طرح نوٹ کی طرف جھپٹے۔ اُسی وقت

انیلا بھی نوٹ کے چکر میں تیزی سے بڑھی اور ہمیں دیکھ کر ٹھٹک گئی، پھر سنبھل کر بولی "تم تو گھر جا رہی تھیں۔؟"

"اب کیا کریں؟" ہم نے گھبرا کر سوچا ایں.... آں.... تم بھی تو جا رہی تھیں؟" ہم نے جلدی سے پوچھا۔ اس سے پہلے کہ انیلا کچھ جواب دیتی، ہماری نظریں نوٹ کی طرف پھسل پڑیں، ہماری نظروں کے تعاقب میں انیلا کی نظریں بھی نوٹ پر پڑیں۔ تھوڑی دیر بعد نوٹ وہاں پر نہ تھا۔ اس لئے کہ وہ بچہ، جو اس وقت گیند لینے آیا تھا، دوبارہ گیند لینے آیا تو ہمیں وہیں پر جما دیکھ کر چوکنا ہو گیا۔ اور اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے پر اُسے وہ نوٹ نظر آ گیا، جواب اُس کی جیب میں منتقل ہو چکا تھا۔ ہم نے انیلا کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا، جیسے وہ ہی اس کی ذمّہ دار ہو (ویسے وہی ذمّہ دار تھی) اور انیلا نے ہمیں کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔ یوں ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو گھورتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کی جانب چل پڑے۔

ماڈرن ڈکشنری

محمد انور میمن،
شاہپور چاکر

عینک:۔ جو ناک کو کان سے ملاتی ہے۔

آئینہ:۔ جو ہمیشہ حال کو دیکھتا ہے، مستقبل کو نہیں

پاور ہائس:۔ آج بجلی بند رہے گی۔

فیشن:۔ درزی کی غلطی۔

دوپٹہ:۔ گلے میں لٹکانے والی ماڈرن رسّی۔

چمچے

عالیہ مظہر ــــــــ کراچی

ٹین کا چمچہ جس طرح چاہا، استعمال کیا وقت پڑنے پر زمین بھی کھود دی، ٹیڑھا ہو گیا تو پھر سیدھا کر لیا، قیمت بھی کم، اور افسوس کی اُمید بھی صفر فیصد، عموماً ہوٹلوں میں ملتا ہے۔

پیتل کا چمچہ پیتل کا چمچہ ٹین کی مناسبت سے بھاری بھرکم، نازک مزاج ہوتا ہے ذرا سی ترشی نے چھُوا، اور آپ کا رنگ بدلا۔ گرگٹ کی طرح نہیں۔

اسٹیل کا چمچہ عموماً اوسط درجے کے لوگوں کے دسترخوان کی زینت بنتا ہے۔ آپ بھی کم نازک مزاج نہیں۔ ذرا سی بے رُخی یا ناراضگی دکھائی اور فوراً رنگ بدل ڈالا۔

اسٹین لیس اسٹیل کا چمچہ قیمت اتنی زیادہ کہ عموماً اوسط درجے کے لوگ دیکھ کر تشفی کر لیتے ہیں، دھوپ، گرمی، سردی، پانی، ترشی ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے جھیلنے کو تیار۔

چھوٹا چمچہ جسے عموماً "چمچی" کہا جاتا ہے۔ ویسے ہمارا چمچی سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر آپ ہنس کیوں رہے ہیں....؟ جائیے، ہم نہیں بولتے آپ سے!

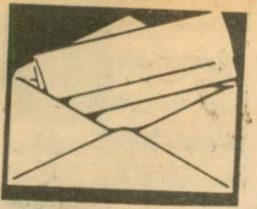

آؤ ملائیں ہاتھ

محمد رفیق ۔ ۱۳ رسال
جماعت نہم ۔ اچھے رسائل پڑھنا
مضمون اسلامیات ، اردو
استاد بننا چاہتے ہیں ۔ وجہ ۔ کیونکہ استاد ہی ہمیں سب کچھ
بناتا ہے ۔ ۱۸/ڈی ۔ رقیہ اسکوائر ۔ بلاک ۱۴ ۔ فیڈرل بی ایریا ۔

کاشف اکبر ۱۰ رسال
جماعت چہارم ۔ کرکٹ کھیلنا
مضمون ۔ سائنس ۔ انسپکٹر بننا
چاہتے ہیں ۔ وجہ ۔ وطن کی خدمت
۳۳ ۔ الیف ۔ ۵ ۔ اورنگی ٹاؤن ۔ کراچی ۔ ۴۱

قربان علی ۱۲ رسال
جماعت ششم آنکھ مچولی پڑھنا
مضمون ۔ انگلش ۔ ڈاکٹر بننا
چاہتے ہیں ۔ وجہ ۔ غریبوں کی خدمت
نزد پوسٹ آفس رایہ ۔ محلہ کند ھکوٹ

امجد حسین ۔ ۱۵ رسال
جماعت نہم ۔ ہاکی کھیلنا ۔
مضمون ۔ انگلش ۔ ڈاکٹر بننا
چاہتے ہیں ۔ وجہ ۔ دکھی انسانیت کی خدمت
مکان نمبر ۳/۴ سروے نمبر ۸۷ ۔ گولڈن ٹاؤن ۔ کراچی نمبر ۴۳

سرفراز ۱۴ رسال
جماعت ہشتم ۔ رسائل پڑھنا
مضمون ۔ انگلش ۔ پائلٹ بننا
چاہتے ہیں ۔ وجہ ۔ شوق ہے ۔
مکان نمبر ۱۰۷ ۔ میمن محلہ ۔ بھریانی ۔ سندھ

گوہر ارشد ۱۲ رسال
جماعت ہشتم ۔ رسالے پڑھنا
مضمون ۔ اردو ۔ پرنسپل بننا
چاہتی ہیں ۔ وجہ ۔ اپنا اسکول ہے ۔
۱۸/۴ ۔ ڈی ۔ ایریا ۔ قیوم آباد ۔ کراچی نمبر ۴۶

فیاض احمد ۔ ۱۵ رسال
جماعت دہم ۔ آنکھ مچولی پڑھنا
مضمون ۔ اسلامیات ۔ فوجی
بننا چاہتے ہیں ۔ وجہ ۔ وطن کی خدمت
مکان نمبر ۲۵۰/سی ۔ ڈرگ کالونی ۔ تربیلا بازار ۔ کراچی

سید مشتاق علی ۱۳ رسال
جماعت نہم کرکٹ کھیلنا
مضمون ۔ سائنس ۔ کرکٹر بننا
چاہتے ہیں ۔ وجہ ۔ کرکٹ سے لگاؤ
۳/۱۹۸ ۔ عزیز آباد ۔ فیڈرل بی ایریا ۔ کراچی

محمد عدنان ۱۴ رسال
جماعت نہم ۔ کرکٹ کھیلنا
ٹکٹ جمع کرنا ۔ مضمون انگلش
سول انجینئر بننا چاہتے ہیں وجہ کسی کیلئے سر چھپانے کی جگہ بنا کر
مزا آتا ہے ۔ ۲/۱۰۵۰ شاہ فیصل کالونی نمبر ۲ ۔ کراچی ۲۵

اطہر ضیا ۔ ۱۱ ۔ سال
جماعت ہفتم ۔ رسائل پڑھنا
مضمون اردو ۔ وکیل بننا
چاہتے ہیں ۔ وجہ ۔ وکیل اچھے لگتے ہیں ۔
۱۹ ۔ اسلام گنج ۔ سکھر

سلمان احمد ۷ رسال
جماعت دوم ۔ اسکول کی کتابیں
پڑھنا ۔ مضمون ۔ انگلش ۔ ڈاکٹر
بننا چاہتے ہیں ۔ وجہ ۔ غریبوں کی مدد
بیت الاسلام ۔ گلی نمبر ۶ ۔ شاہین ٹاؤن ۔ پشاور

صبوحی بانو ۱۴ رسال
جماعت ہفتم ۔ کہانیاں پڑھنا
مضمون معاشرتی علوم ۔ فوج
میں جانا چاہتی ہیں ۔ وجہ ۔ شہیدوں کی قوم سمجھ کر
۳۳۶ ۔ ۳۳۵ ۔ ای ۔ ملیر کو ٹر ٹاؤن ۔ کراچی

ناصر احمد ۔ ۱۶ رسال
جماعت میٹرک ۔ کرکٹ کھیلنا
مضمون ۔ معاشیات ۔ بزنس مین
بننا چاہتے ہیں ۔ وجہ ۔ کاروباری ذہن
موٹیدجی منزل ۔ فلیٹ نمبر ۵/۶ ۔ سولجر بازار ۔ کراچی ۳

مزار علی رایو ۱۱ رسال
جماعت ششم ۔ حساب کرنا
مضمون حساب ۔ پائلٹ
بننا چاہتے ہیں ۔ وجہ ۔ وطن کی خدمت
استاد دلی محمد رایہ رنگساز ۔ مین روڈ ۔ کند ھکوٹ

محمد ریحان ۱۴ رسال
جماعت نہم ۔ کرکٹ کھیلنا مطالعہ
مضمون ۔ حساب ۔ انگلش ۔
ماہر ارضیات بننا چاہتے ہیں ۔ وجہ ۔ خزانہ ڈھونڈنے میں مزا آتا ہے
۲/۱۰۵۰ ۔ شاہ فیصل کالونی نمبر ۲ ۔ کراچی ۔ ۲۵

شبیر انجم ۱۵ سال
جماعت ہشتم۔ رسائل پڑھنا
مضمون۔ اردو۔ ادیب بننا
چاہتے ہیں۔ وجہ۔ اس لیے کہ جسم کمزور ہے اور اسی طریقے سے ملک کی خدمت ہو سکتی ہے۔ حبیب بلاک، گلی نمبر ۱، دو گنج ٹاؤن، غازی روڈ لاہور

شاہد رضا خان ۱۴ سال
جماعت دہم۔ ٹکٹ جمع کرنا
مضمون۔ انگلش۔ آرمی آفیسر
بننا چاہتے ہیں۔ وجہ۔ وطن کی حفاظت۔ ۸/۱ سرفراز کالونی۔ حیدرآباد (سندھ)

سید عبدالرشید ۱۳ سال
جماعت۔ ہشتم۔ ٹکٹ جمع
کرنا مضمون۔ سائنس۔
میڈیکل آفیسر بننا چاہتے ہیں۔ وجہ۔ قوم کی خدمت
محمدی میڈیکل اسٹور۔ چینی روڈ۔ نواب شاہ۔

محمد اختر کوبر ۱۴ سال
جماعت نہم۔ کرکٹ کھیلنا۔ مضمون
اسلامیات۔ ٹیچر بننا چاہتے
ہیں۔ وجہ۔ تاکہ ملک سے جہالت دور ہو جائے۔
گوٹھ رائیس کامل کوبر۔ تحصیل صادق آباد

ارشد محمود منہاس ۱۵ سال
جماعت نہم۔ جوڈو کراٹے۔
مضمون۔ اسلامیات۔ سی آئی ڈی
انسپکٹر بننا چاہتے ہیں۔ وجہ۔ وطن کی خدمت۔
معرفت عطا محمد، مکان نمبر ۴، گلی نمبر ۱، پنج پیر، مغل پورہ۔ لاہور ۱۵

محمد حسن ۱۲ سال
جماعت ہشتم۔ مطالعہ۔ مضمون
سائنس، حساب۔ اچھا ڈاکٹر
بننا چاہتے ہیں۔ وجہ۔ خدمتِ خلق اور خدا کی رضا۔
بی ۳۳۴/ ۔ بلاک این۔ نارتھ ناظم آباد کراچی

تنویر سجاد ۱۳ سال
جماعت ہفتم۔ کرکٹ کھیلنا
مضمون۔ اردو۔ ڈاکٹر بننا
چاہتے ہیں۔ وجہ۔ غریبوں کی مدد۔ گلی نمبر ۶
باجوہ محلہ۔ سلطان پورہ، حافظ آباد روڈ۔ گوجرانوالہ

فاروق افضل ۱۲ سال
جماعت ششم۔ سکے جمع کرنا۔
مضمون اردو۔ پائلٹ بننا
چاہتے ہیں۔ وجہ۔ وطن کا دفاع۔
مکان نمبر ۱۶/۷، سروے نمبر ۸۷۔ گولڈن ٹاؤن۔ کراچی ۴۳

عبدالواحد ۱۵ سال
جماعت نہم۔ قلمی دوستی
مضمون۔ اردو۔ سائنسدان
بننا چاہتے ہیں۔ وجہ۔ ملک کو ترقی دینا۔
یاسین جنرل اسٹور۔ چوک سبزی منڈی۔ امین بازار سرگودھا

ملک محمد حنیف ۱۵ سال
جماعت دہم۔ کرکٹ کھیلنا۔
مضمون۔ فزکس۔ ڈاکٹر بننا
چاہتے ہیں۔ وجہ۔ وطن کی خدمت۔ گلی نمبر ۲۔
آدم شاہ کالونی۔ ملٹری روڈ سکھر

محمود علی شیخ ۱۵ سال
جماعت دہم۔ تاریخی مقامات
کی سیر۔ مضمون حساب۔ انجینئر
بننا چاہتے ہیں۔ وجہ۔ حساب میں دلچسپی۔ علی منزل
نزد جنرل پوسٹ آفس۔ نواب شاہ (سندھ)

محمد زبیر سیف اللہ بھٹی ۱۱ سال
جماعت ششم۔ ٹکٹ جمع کرنا۔
مطالعہ مضمون۔ اردو۔ فوجی آفیسر
بننا چاہتے ہیں۔ وجہ۔ تاکہ کشمیر کو آزاد کرا سکیں۔ بی ۳/
بلاک ۶۸۔ مکان ۵۔ لانڈھی ۴۔ انکوائری آفس۔ کراچی

حذیفہ بن سلیم ۱۳ سال
جماعت نہم۔ ٹکٹ جمع کرنا۔
مضمون۔ عربی۔ اچھا شہری بننا
چاہتے ہیں۔ وجہ۔ قلمی شوق۔ مکان نمبر ۳۲۹
بلاک نمبر ۸/۷، سی پی برار سوسائٹی۔ کراچی ۵

سلطان احمد ۱۵ سال
جماعت دہم۔ کرکٹ کھیلنا
مضمون۔ حیاتیات۔ ڈاکٹر
بننا چاہتے ہیں۔ وجہ۔ غریب عوام کی خدمت
مکان نمبر ۳۱۱۔ پھیلی۔ حیدرآباد

محمد محمود سیف اللہ ۱۴ سال
جماعت ہشتم۔ ٹکٹ جمع کرنا
مضمون۔ حساب۔ ریاضی دان
بننا چاہتے ہیں۔ وجہ۔ مسلمانوں میں اس مضمون کو ترقی دینا
ایریا بی ۳/ مکان ۵۔ بلاک ۶۸۔ انکوائری آفس۔ لانڈھی ۴

کامران عثمانی ۱۲ سال
جماعت ہفتم۔ کرکٹ کھیلنا
مضمون انگلش۔ پائلٹ بننا
چاہتے ہیں۔ وجہ۔ ملک کی خدمت۔ ۲۱۸/ سی
اسٹیل ٹاؤن۔ راوی اسٹریٹ نمبر ۱۔ کراچی ۴۹

عصمت اللہ کوبھر ۱۴ سال
جماعت نہم۔ کرکٹ کھیلنا
مضمون۔ بائیالوجی۔ ڈاکٹر
بننا چاہتے ہیں۔ وجہ غریبوں کی مدد۔
گوٹھ رئیس کامل کوبھر۔ صادق آباد

مبشر علی ۱۴ سال
جماعت نہم۔ مطالعہ۔ مضمون
کیمیا۔ آنکھ مچولی کا مدیر بننا
چاہتے ہیں۔ وجہ۔ آنکھ مچولی اچھا لگتا ہے۔
آر ۔۔۔۶۔ بلاک ۲۔ ایف بی ایریا۔ کراچی

مظہر حسین ۔ ۱۲ ر سال
جماعت ششم ۔ کرکٹ کھیلنا ۔
مضمون ۔ سائنس ۔ ڈاکٹر بننا
چاہتے ہیں ۔ وجہ ۔ لوگوں کی خدمت کرنا
مکان نمبر ۲۲ ۔ بلاک نمبر ۲۸ ۔ ڈیرہ غازی خان

عبد القیوم ۱۵ ر سال
جماعت ہشتم ۔ کرکٹ کھیلنا
مضمون ۔ اسلامیات ۔ فوجی
بننا چاہتے ہیں ۔ وجہ ۔ ملک کی خدمت ۔
الحفیظ ہوٹل ۔ نزد گرلز ہائی اسکول ۔ کندھ کوٹ

سید زبیر حسین ۱۶ ر سال
جماعت نہم ۔ ٹکٹیں جمع کرنا
مضمون ۔ ریاضی ۔ پائلٹ بننا
چاہتے ہیں ۔ وجہ شوق ہے ۔ گورنمنٹ ہائی اسکول
منڈی بہاؤ الدین ۔ تحصیل پھالیہ ۔ ضلع گجرات

نسیم حسن اعوان ، ۱۵ ر سال
جماعت ہشتم ، کہانیاں پڑھنا
مضمون ۔ اُردو ۔ معاشرتی علوم
ڈاکٹر بننا چاہتے ہیں ، وجہ ۔ تاکہ بھیک کا خاتمہ ہو سکے
مکان نمبر ۱۱۸۷ ۔ ا ۔ بی گلی نمبر ۵ ۔ مسلم ٹاؤن ۔ راولپنڈی

امان اللہ ، ۱۳ ر سال
جماعت ششم ، رسائل پڑھنا
مضمون ۔ انگلش ، سرجن بننا
چاہتے ہیں ، وجہ ۔ دکھی انسانیت کی خدمت ۔
عمران کلینک ۔ ہیرآباد ۔ میرپور خاص

جمیل احمد ، ۱۶ ر سال
جماعت ہشتم ، قلمی دوستی
مضمون ۔ انگریزی ، ڈاکٹر بننا
چاہتے ہیں ، وجہ ۔ غریبوں کا علاج
سعید واچ میکر ۔ شاہی بازار ۔ کھپرو ۔ ضلع سانگھڑ

★ اس کالم میں انٹر تک کے طلبہ و طالبات شریک ہو سکتے ہیں ★ کوپن اور تصویر کے بغیر تعارف شائع نہیں کیا جائے گا ★ خراب اور نامکمل کوپن قابلِ قبول نہ ہوں گے ★ طالبات اپنی تصاویر نہ بھیجیں ۔

نام ________ عمر ________ جماعت ________
مشاغل ________ پسندیدہ مضمون ________
بڑے ہو کر کیا بننا چاہتے ہیں ________ وجہ ________
پتہ ________

امّی ابّو کا صفحہ

پرویز فاروق

آپ نے بہت سے ایسے لوگ دیکھے ہوں گے جن کی زندگی نظم و ضبط سے عاری ہوتی ہے۔ ان کی میز، الماری اور کمرہ بے سلیقگی کا اشتہار ہوتا ہے۔ وہ اپنی چیزیں رکھ کر بھول جاتے ہیں اور پھر اس کی تلاش میں گھر کی ساری چیزوں کو اُلٹ پلٹ کر رکھ دیتے ہیں اور صرف یہی نہیں، بلکہ ضروری کام کاج کے معاملہ میں بھی وہ سخت اُلجھاؤ کا شکار رہتے ہیں۔ مختلف فرائض اور ذمّہ داریوں کو ان کی اہمیت کے لحاظ سے ترتیب وار انجام نہیں دیتے بلکہ غیر ضروری کاموں میں الجھ کر وہ ضروری فرائض کو بھول جاتے ہیں اور نتیجے میں پریشانی اٹھاتے ہیں۔ اس بدنظمی اور افراتفری کا ان کی نفسیات پر بھی گہرا اثر ہوتا ہے اور عام طور پر تلخی، جھنجھلاہٹ اور چڑچڑاپن ان کے مزاج کا حصّہ بن جاتا ہے۔ کیا آپ نے غور کیا ہے کہ یہ لوگ ایسے کیوں ہوتے ہیں؟

اس کے برعکس آپ نے اُن اشخاص کو بھی دیکھا ہوگا جن کی زندگی میں ایک سلیقہ اور قرینہ ہوتا ہے۔ جن کی اشیاء اور کاغذات ان کے گھر اور دفتر میں سلیقے سے سجے سنورے رکھے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے ضروری اور غیر ضروری کاموں کو اہمیت کے لحاظ سے اپنی ڈائری میں درج کر لیتے ہیں اور یوں ان کا ہر کام مناسب وقت پر تکمیل پا جاتا ہے۔ ایسے افراد کی زندگی نظم و ترتیب کی ڈور سے بندھی ہوتی ہے اور وہ اس ڈسپلن کے سہارے ترقّی کی منزلیں تیزی سے طے کرتے رہتے ہیں۔ کیا کبھی آپ نے سوچا کہ ان میں یہ خوبیاں کیسے پیدا ہو جاتی ہیں۔

مذکورہ دونوں طرح کے افراد دو مختلف گھرانوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک طرح کے گھر وہ ہیں جہاں بچّوں کی تربیت کا سرے سے کوئی تصور ہی نہیں ہوتا۔ ایک کامیاب اور مطمئن زندگی گزارنے کے لئے جن بنیادی باتوں کو سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ باتیں بچّوں کو بتائی ہی نہیں جاتیں۔

میز، الماری اور کمرے میں چیزیں کس طرح رکھتے ہیں۔ ان کے سلسلے میں طرزِ عمل کس حد تک ذمّہ دارانہ ہونا چاہیئے، چیزوں کی حفاظت کتنی ضروری ہوتی ہے۔ بظاہر یہ بہت چھوٹی موٹی باتیں ہوتی ہیں لیکن آئندہ زندگی کے امن و سکون کا انحصار انہی باتوں پہ ہوتا ہے۔ جن گھروں میں بچّوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور ڈسپلن کے معاملے میں ان پر کوئی سختی نہیں کی جاتی۔ ان گھروں کے بچّے بڑے ہو کر لاپروا اور غائب دماغ ہوتے ہیں۔ خود بھی پریشان رہتے ہیں اور دوسروں کے لئے بھی پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن ایسے گھر جہاں بچّوں کو والدین اپنی نگرانی میں رکھتے ہیں اور موقع محل کی مناسبت سے ان کی تربیت کرتے رہتے ہیں۔ وہ بچّے بڑے ہو کر اپنے اہلِ خانہ کے لئے بھی مفید ثابت ہوتے ہیں اور سوسائٹی کے لئے بھی۔!

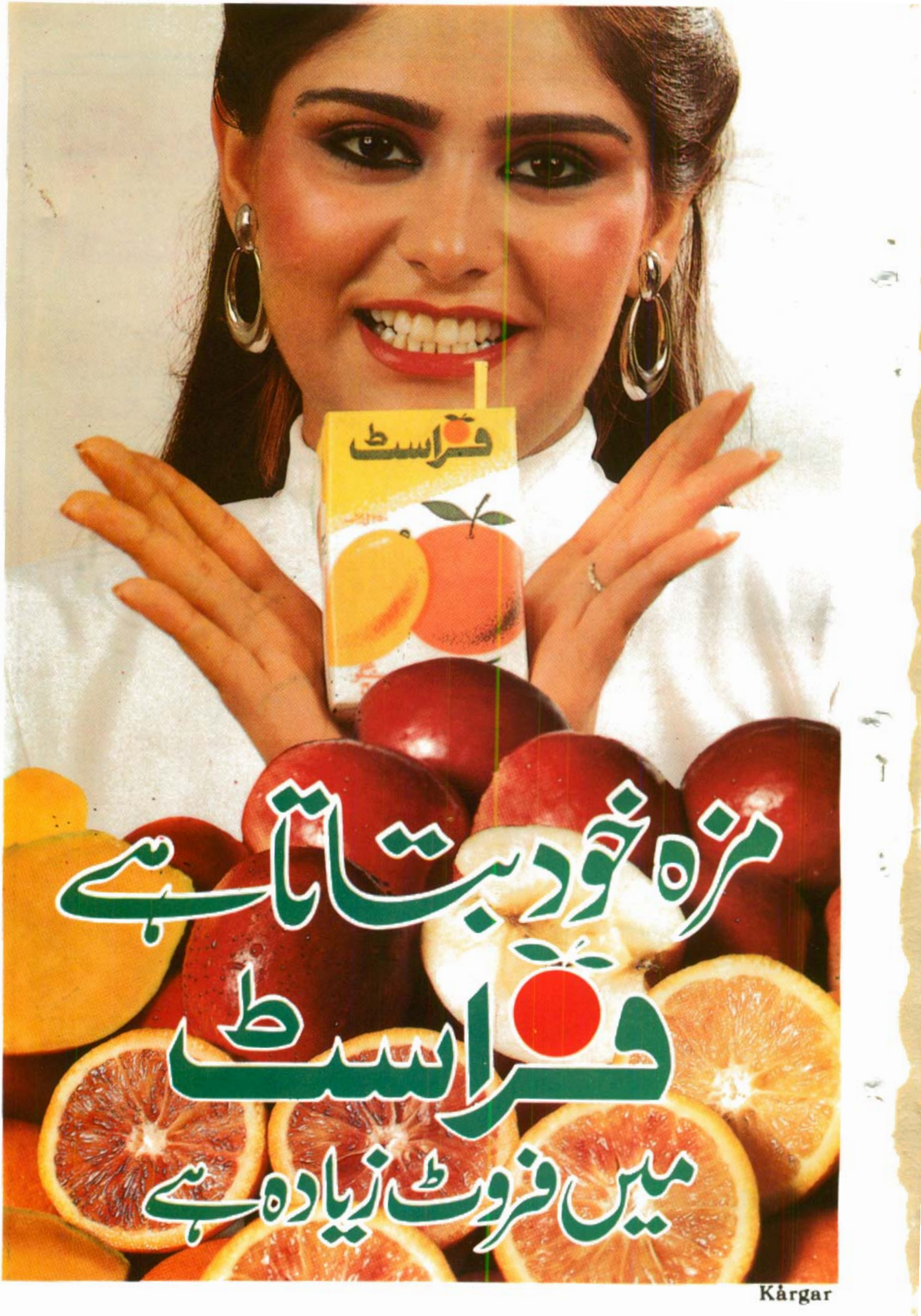

Kårgar

پاکیزہ ، صحت بخش ، لذیذ
احمد کے کھانے سب کو عزیز
آپ سفر میں ہوں ، ملک سے باہر ہوں یا
گھر میں اچانک مہمان آجائیں
احمد کے پکے پکائے کھانوں کے
ڈبّوں کو صرف دس منٹ
گرم پانی میں رکھیں یا کھول کر گرم
کرلیں - لیجئے کھانا تیار
لذّت بھی - کفایت بھی
احمد کے پکے پکائے
کھانے
نہاری ، شاہی حلیم ، قورمہ ، کوفتہ
آلو قیمہ ، سرسوں کا ساگ
جدید ترین آٹومیٹک پلانٹ پر تیار کردہ
ہر دم تازہ ، سیل بند ڈبوں میں
دُنیا میں ہر جگہ دستیاب
AHMED'S
NIHARI (HALAL)
AHMED'S
QEEMA
AHMED'S
KA SAAG
احمد
ہمیں فخر ہے کہ ہماری مصنوعات
نے سَاری دنیا میں پاکستانی ذائقوں
کو متعارف کرایا۔